# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| لمعات: (مار دھاڑ، دنگہ فساد اور جمہوریت) | ادارہ | 3 |
| جو ہوذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں! | پرویزؒ | 8 |
| جناب پرویزؒ صاحب سے پہلی ملاقات | ملک منظور حسین لیل ایڈووکیٹ | 35 |
| ایک بہت بڑے مولوی صاحب کا ایک چینل پر انٹرویو | خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی | 46 |
| جنت سے دوزخ تک کا ایک سفر! | عطاء الحق قاسمی | 55 |
| فتویٰ | جاوید چودھری | 59 |



## طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

| | |
|---|---|
| 1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226 | |
| 2- سانجھ بک سیلرز، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔ موبائل: 0333-4051741 | |
| 3- مسٹر بکس، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔ فون: 051-2824805-2278843 | |
| 4- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141 | 5- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664 |
| 6- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587 | 7- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259 |
| 8- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939 | 9- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269 |
| 10- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔ | 11- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056 |
| 12- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932 | |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# لمعات

## مار دھاڑ، دنگہ فساد اور جمہوریت

ہمارے ہاں، بدقسمتی سے ایک اور غلط تصور بھی عام ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کوئی بھی ہو، اگر آپ کو اس میں کوئی بات ایسی نظر آئے، جو آپ کے نزدیک غلط ہے تو آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ آپ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ کا یہ اقدام جہادِ عظیم قرار پائے گا اور آپ کو بطل حریت کہہ کر پکارا جائے گا۔ اس متشددانہ تصور کا نتیجہ ہے کہ آپ کی حکومتیں خود اپنوں ہی کے ہاتھوں تباہ ہوتی رہیں۔ باطل کی مخالفت اور حق کی حمایت میں آواز اٹھانا، بے شک تقاضائے حریت ہے لیکن پہلا سوال یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ جسے آپ نے باطل کہہ کر اس کے خلاف قدم اٹھایا ہے، وہ فی الواقعہ باطل ہے۔ اگر ہر شخص کو اس کا فیصلہ کرنے کا حق انفرادی طور پر دے دیا جائے تو اس کا جو نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرا غور طلب سوال یہ ہے کہ اپنی حکومت میں اگر کوئی بات ایسی نظر آئے جسے آپ غلط سمجھتے ہوں، تو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا طریق اور اس کی حدِ آخر کیا ہوگی؟ کیا آپ حکومت کے خلاف بغاوت شروع کر دیں گے؟ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ اس خاص معاملہ کے متعلق، آئینی طور پر آواز بلند کیجئے۔ قومی شعور بیدار کیجئے، حتیٰ کہ آئینی اور جمہوری انداز سے خود اس حکومت کو تبدیل کر دیجئے لیکن ملک میں فساد اور بغاوت برپا نہ کیجئے۔ دیکھئے اس باب میں ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے کیا ہدایت ملتی ہے۔ آپ، مشکوٰۃ کا باب الامارۃ والقضاۃ نکالئے۔ اس میں آپ کو اس قسم کے ارشاداتِ نبوی ﷺ ملیں گے کہ:

> حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص اپنے حاکم کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو ناگوار ہو، تو صبر کرے۔ اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہو، اور اس حالت میں مر جائے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (بخاری۔ مسلم)۔

یا یہ کہ:

جو شخص تم پر حاکم بنایا جائے اور تم اس کے کسی ایسے فعل کو دیکھو جو خدا کی نافرمانی پر مبنی ہے تو تم اس کے اس فعل کو بُرا سمجھو اور اس کی اطاعت سے دست بردار نہ ہو۔ (مسلم)

نیز۔۔

اوائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ سلمہ بن یزید جعفیؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! آپ اس معاملہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارے حقوق سے انکار کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے احکام کو سنو اور اطاعت کرو کہ ان پر وہ بات فرض ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لی ہے اور تم پر وہ چیز جس کی ذمہ داری تم نے لی۔ (مسلم)

اور ابوداؤد کی یہ روایت کہ

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم اپنے اماموں (حاکموں) کے ساتھ کس طرح بسر کرو گے جبکہ وہ کافروں سے خراج اور جزیہ لیں اور مستحق لوگوں کو نہ دیں یعنی ایسی حالت میں صبر کرو گے یا ان سے لڑو گے۔ اس نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں اپنی تلوار کو اپنے کندھے پر رکھ کر ان سے قتال کروں گا اس وقت تک کہ میں آپ ﷺ سے جا ملوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے اچھی بات نہ بتلاؤں۔ تو صبر کر جب تک تو مجھ سے آ ملے۔

یہی وہ تعلیم نبوی ﷺ ہے جس کا مظاہرہ ہم ابھی تک اپنی نمازوں میں کرتے ہیں۔ اگر نماز میں امام سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو مقتدیوں کا فریضہ اتنا ہی ہے کہ وہ کسی طرح اشارہ کنایۃً سے اسے متنبہ کریں کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے لیکن اگر اس کے باوجود امام اپنے فیصلے کے مطابق عمل کرتا جائے تو مقتدیوں میں سے کسی کو نہ تو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر امام کو الگ کر کے خود نماز پڑھانے لگ جائے اور نہ ہی اس کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ جماعت سے الگ ہو کر اپنی نماز جدا پڑھ لے۔ ان تمام مقتدیوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس غلط فیصلے میں بھی امام کی پیروی کریں اور بعد میں اس کے ساتھ سجدۂ سہو نکالیں۔

لیکن ہم اس قسم کی ہدایات کو مسجد کی چار دیواری تک محدود رکھتے ہیں، زندگی کے دوسرے گوشوں میں نہ صرف یہ کہ ان کی

متابعت ضروری نہیں سمجھتے بلکہ ان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

یہ جو ہمارے ہاں عام ذہنیت پیدا کی جارہی ہے کہ حکومت کی جو بات بھی ناگوار گذرے اس کے خلاف سرکشی اختیار کر لی جائے' کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ اسلامی تو ایک طرف' اسے عام معانی کے لحاظ سے جمہوری طریق بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یاد رکھئے۔ جس طریق میں ذرا سا بھی قوت کا استعمال ہو' اسے جمہوری طریق نہیں کہا جائے گا اور ''قوت کا استعمال'' ماردھاڑ' دنگہ فساد تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ دوسروں کی تذلیل وتحقیر' جھوٹے الزامات اوران کی تشہیر' سب وشتم' نعرہ بازیاں' ہنگامہ آرائیاں۔۔۔حتیٰ کہ گاندھی کے اتباع میں' اہنسا (عدم تشدد) کی سول نافرمانی اور دھرنا' بھوک ہڑتال وغیرہ' سب قوت کے استعمال کے مختلف روپ ہیں۔ جمہوری (اوراسلامی) طریق آئین وقوانین کی پابندی اور دلائل وبراہین کی رُو سے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانے اور صداقت کا قائل کرانے کا نام ہے۔

☆☆☆

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ غریبوں کی بھوک مٹانے اور مفلسوں کی احتیاج ختم کرنے کا طریق ''مارو اور جلاؤ'' نہیں۔ یہ تخریب ہے۔ اس کا صحیح علاج اس نظام کو بدلنا ہے جس کی وجہ سے غریبوں اور مفلسوں کی یہ حالت ہورہی ہے اور نظام کو بہرحال' آئینی طریق ہی سے بدلنا چاہئے۔ جب یہ دروازہ ہمارے سامنے کُھلا ہے تو پھر تخریبی راستے کیوں اختیار کئے جائیں! اس وقت مختلف سیاسی پارٹیوں نے ہنگامہ آرائیوں کی جو روش اختیار کر رکھی ہے' وہ تخریبی ہے۔۔۔اس وقت پاکستان کا سچا بہی خواہ' اوراسلامی طریق کا متبع وہی ہوگا جو۔

(1) قوم کے نوجوانوں کو قانون کے احترام اور آئین وضوابط کی پابندی کی تلقین کرے۔

(2) آئندہ انتخابات کے لئے امن کی فضا پیدا کرے۔

(3) انتخابات کے لئے قوم میں اس شعور کو بیدار کرے کہ ووٹ اس امیدوار کو دیا جائے جس کی دیانت وامانت پر آپ کو اعتماد اور جس کی صلاحیتوں کا آپ کو علم ہو۔

اب ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ انتخاب لاکھ دیکھ بھال کر کیجئے' جب منتخب شدہ لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آجاتا ہے تو وہ بگڑ جاتے ہیں۔

یہ درست ہے لیکن اس کا علاج ان کے خلاف ہنگامہ آرائی نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آئین میں ایسی شق رکھی جائے

کہ جس شخص کو جن لوگوں نے منتخب کیا ہے۔۔۔وہ کسی پارلیمان کا رکن ہو یا وزیر (اور وزیراعظم) حتیٰ کہ وہ صدر مملکت بھی کیوں نہ ہو۔۔وہ اگر کوئی غلط قدم اٹھائے اور اس طرح ان لوگوں کا اس پر اعتماد اٹھ جائے' تو وہ اسے اسی آئینی طریق سے اس کی نشست یا منصب سے الگ بھی کر سکیں۔ یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو آئین میں اس کے لئے مؤثر طریق کار کی صراحت کی جا سکتی ہے۔ یہ کچھ مشکل کام نہیں۔

اس سے اگلا (اور سب سے اہم) سوال یہ سامنے آتا ہے کہ غلط اور صحیح کے پرکھنے کا معیار کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس لئے اس میں غلط اور صحیح یعنی حق اور باطل کے پرکھنے کا معیار بھی اسلام ہی ہونا چاہئے اور یہی ہے وہ چیز جو اس وقت سب سے زیادہ مشکل پیدا کر رہی اور ملک میں فتنہ و فساد کا موجب بن رہی ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو اس باب میں اتھارٹی سمجھتا ہے۔۔۔اور مذہبی پیشوائیت اپنے آپ کو اتھارٹی ہی نہیں بلکہ اجارہ دار تصور کرتی ہے۔ یہ طریق قطعاً اسلامی نہیں۔ وہ اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ جس کا جی چاہے اس باب میں اتھارٹی بن بیٹھے' خواہ وہ کتنا ہی بڑا ''عالم'' کیوں نہ ہو۔ اسلامی نظام میں اس قسم کی اتھارٹی صرف اس ادارہ کو حاصل ہو سکتی ہے جسے حکومت کی طرف سے اس مقصد کے لئے مقرر کیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حالاتِ موجودہ' یہ اتھارٹی' عدالتِ عالیہ (سپریم کورٹ) کے سپرد کر دینی چاہئے۔ جب بھی کسی معاملہ میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ اسلام کے مطابق ہے یا اس کے خلاف' تو اسے عدالتِ عالیہ کی طرف (Refer) کیا جائے۔ علماء حضرات چاہیں تو اس میں بہ حیثیت وکیل بن جائیں اور اپنا مؤقف پیش کریں لیکن فیصلہ کا حق اسی عدالت کو حاصل ہو اور جو فیصلہ وہاں سے نافذ ہو وہ سب کے نزدیک واجب التسلیم ہو۔ کسی فرد یا جماعت کو اس کا حق حاصل نہ ہو کہ وہ معاملات کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے' یا افراد کے کفر و ایمان کے فتوے صادر کریں اور اس طرح ملک میں مسلسل فساد برپا کرنے کا سامان فراہم کئے چلے جائیں۔ آئین میں اس کی وضاحت' اور اس کے لئے طریق کار کا تعین ضروری ہے۔

☆☆☆

یہ ہے ہماری بصیرت کے مطابق' اس ملک کے لئے سلامتی کی راہ۔ اگر اس راستے کو اختیار نہ کیا گیا تو پھر' ہماری ہزار مقدس آرزوؤں کے باوجود' یہ ملک سلامت نہیں رہ سکے گا اور یہ کام بہت جلد کرنے کا ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھ رہے کہ اس وقت ملک میں' مختلف ناموں سے' تخریبی کاروائیوں پر جتنا کچھ خرچ ہو رہا ہے اور اس سے جتنی تیزی سے یہ آگ پھیلائی جا رہی ہے' اس کی روک تھام میں ذرا سی تاخیر ہمیں کہاں پہنچا دے گی؟ آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ شورشوں' ہنگاموں' جلوسوں'

ہڑتالوں' الزام تراشیوں اور دُشنام طرازیوں میں کسی فرد یا پارٹی کا ساتھ نہ دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس طرح' ان قوتوں کی ملعون سازشیں جن کی آنکھوں میں پاکستان خار کی طرح کھٹکتا ہے اور وہ اس کی (خدانکردہ) تباہی اور بربادی کے درپے ہیں' کس طرح خاسرونا کام رہ جائیں اور وہ خود کس قدر ذلیل وخوار ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆


## قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

| نام کتاب | سورہ نمبر | صفحات | نیا ہدیہ | نام کتاب | سورہ نمبر | صفحات | نیا ہدیہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| سورہ الفاتحہ | (1) | 240 | 160/- | سورۃ الشعرآء | (26) | 454 | 325/- |
| سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن) | (1) | 240 | 110/- | سورۃ النمل | (27) | 280 | 225/- |
| سورۃ البقرہ (اول) | (2) | 500 | 350/- | سورہ القصص | (28) | 334 | 250/- |
| سورۃ البقرہ (دوم) | (2) | 538 | 350/- | سورہ عنکبوت | (29) | 388 | 275/- |
| سورۃ البقرہ (سوم) | (2) | 500 | 350/- | سورہ روم' لقمان' السجدہ | (30,31,32) | 444 | 325/- |
| سورۃ النساء | (4) | | | سورہ احزاب' سبا' فاطر | (33,34,35) | 570 | 325/- |
| سورہ النحل | (16) | 334 | 250/- | سورہ یٰسین | (36) | 164 | 125/- |
| سورہ بنی اسرائیل | (17) | 396 | 275/- | 29واں پارہ (مکمل) | ---- | 544 | 325/- |
| سورۃ الکہف وسورہ مریم | (18-19) | 532 | 325/- | 30واں پارہ (مکمل) | ---- | 624 | 325/- |
| سورہ طٰہٰ | (20) | 416 | 275/- | | | | |
| سورۃ الانبیآء | (21) | 336 | 225/- | | | | |
| سورۃ الحج | (22) | 380 | 275/- | | | | |
| سورۃ المؤمنون | (23) | 408 | 300/- | | | | |
| سورۃ النور | (24) | 264 | 200/- | | | | |
| سورۃ الفرقان | (25) | 389 | 275/- | | | | |

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویزؔ

بتقریب یومِ پاکستان 1983ء بسلسلہ قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء

# جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

## (عزمِ بلند کا پیکرِ آہنی۔۔۔قائداعظمؒ)

عزیزانِ گرامی قدر! سلام ورحمت۔

آج ہم جس تقریب کے سلسلے میں شریک درس ہوئے ہیں' اسے عام طور پر ''یومِ پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ اس دن (یعنی 23 مارچ 1940ء کو) قوم نے اسی لاہور میں' اس مقام پر جہاں اب ''مینارِ پاکستان سر بفلک ایستادہ ہے'' ایک۔۔۔۔ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ ریزولیوشن کا اصطلاحی ترجمہ تو ''قرارداد'' کیا جاتا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم عزمِ راسخ ہے۔ اس اعتبار سے اس دن قوم نے اپنے ایک عزم کا اظہار کیا تھا اور وہ عزم یہ تھا کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کریں گے جس میں قرآن کریم کی حدود و قیود کے مطابق اسلامی مملکت قائم ہوگی۔ کسی مقصد کے حصول کے لئے شرطِ اولیں عزم ہوتا ہے۔ جس قدر عظیم اور بلند وہ مقصد ہوگا اسی قدر محکم اور صمیم وہ عزم ہوگا۔ یوم پاکستان کو جس مقصد کے حصول کے لئے اظہارِ عزم کیا گیا تھا' مسلمان کی زندگی میں اس سے زیادہ بلند کوئی مقصد ہو نہیں سکتا۔ یعنی منشائے ایزدی کے مطابق ایک مملکت یا نظام کا قیام۔

عزم یا ارادے کی بنیاد اپنے مقصدِ پیشِ نظر کی صداقت پر یقینِ محکم ہوتی ہے۔ جس قدر یقین پختہ اور محکم ہوگا' اسی قدر اس کے حصول کے لئے عزم' راسخ اور استوار ہوگا۔ قرآن کریم نے مردانِ مومن کے مقاصدِ حیات میں عزم کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرامؑ کو ان کے مشن میں جو کامیابی ہوئی تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اولوالعزم تھے۔ اسی کی تلقین حضور نبی اکرم ﷺ کو کی گئی جب کہا کہ: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (46:35)- کشمکشِ حق و باطل میں پیش آمدہ مشکلات کے مقابلہ کے لئے اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح انبیاء سابقہ ثابت قدم رہے تھے کیونکہ وہ صاحبانِ عزم تھے۔ ان کے ارادے بڑے پختہ تھے۔ دوسری طرف کہا کہ ''آدم'' سے جنت اس لئے چھن گئی کہ: لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً (20:115)- اس کا عزم راسخ نہیں تھا۔

قوموں کی زندگی کا راز بھی اس یقینِ محکم میں ہے جس کا لازمی نتیجہ عزمِ صمیم ہوتا ہے۔ جس قوم کے یقین میں تزلزل واقعہ ہو جائے اس کا عزم بھی محکم نہیں رہتا اور جب عزم محکم نہ رہے تو پھر کسی مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

یقیں مثلِ خلیلؑ آتش نشینی — یقیں اللہ مستی، خود گزینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار — غلامی سے بتر ہے بے یقینی

وہ امت کی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہوئے کہتے تھے کہ

نگہبانِ حرم معمارِ دَیر است — یقینش مردہ و چشمش بغیر است
تو اندازِ نگاہِ او تواں دید — کہ نو مید از ہمہ اسبابِ خیر است

وہ مسلمان سے کہتے تھے کہ

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے — یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

یقین کا دوسرا نام ایمان ہے اور یہی وہ نورانی شمع ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام راستے روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا — بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!

اُمتِ مسلمہ کو جو کچھ حاصل ہوا تھا اسی یقینِ کامل اور ایمانِ محکم کا تصدق تھا۔

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہانگیری — یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

اس سے قوم کو جو قوت حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ مومنین کو جو پروگرام دینا تھا اسے اپنی کتاب کے اوراق میں مکمل اور محفوظ کرنے کے بعد، آخری دو سورتوں میں اسے متنبہ کیا کہ اسے کون کون سے خطرات کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سرفہرست تھا۔ **شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی الْعُقَدِ (113:4)**۔ ان جماعتوں کی طرف سے پیدا کردہ شر جو دلوں میں وسوسے پیدا کر کے تمہارے عزمِ راسخ کو متزلزل کرنے کی کوشش کریں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قوموں کی زندگی میں عزم راسخ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ یہی عزم راسخ تھا جس کا اظہار ہماری قوم نے یومِ پاکستان کو کیا تھا لیکن قوم کا یہ عزم درحقیقت آئینہ تھا اس کے قائد کے اس عزم بلند کا جس کا مظاہرہ اس نے

اس جہدِ مسلسل میں قدم قدم پر کیا۔ جس کے بل بوتے پر اس نے انگریز، ہندو اور خود پاکستان کے مخالف مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی اور چاروں طرف سے مشکلات کے ہجوم اور تصادمات کے انبوہ میں گھرنے کے باوجود وہ کامیابی حاصل کی جس کی مثال تاریخ عالم میں کم ملے گی۔ میں آج کی نشست میں قائداعظمؒ کے اس عزمِ بلند کی کچھ مثالیں پیش کروں گا۔

☆☆☆

## جناح کی وطن واپسی

جیسا کہ معلوم ہے، قائداعظمؒ (یا یوں کہئے کہ مسٹر جناحؒ) نے اپنی زندگی کا (پہلا) حصہ نیشنلزم کے مسلک کی تائید اور ترویج کی جدوجہد میں بسر کیا۔ نیشنلزم سے مراد تھی۔ ہندوستان میں بسنے والے تمام باشندوں پر مشتمل (بلالحاظ مذہب وملت) متحدہ قومیت کی تشکیل۔ اس مقصد کے حصول کے لئے، سالہا سال کی کدوکاوش میں ناکامی کے بعد وہ سیاست سے اس قدر بددل ہوگئے کہ انہوں نے وطن کو خیرباد کہہ دیا اور انگلستان جا کر مقیم ہوگئے۔ یہ 1930ء کی بات ہے۔ ان کا ارادہ مستقل طور پر وہیں سکونت پذیر ہو جانے کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اپنے لئے ایک مکان بھی خرید لیا تھا۔ اسے حسنِ اتفاق کہئے یا قوم کی خوش بختی کہ علامہ اقبالؒ 1932ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں لندن تشریف لے گئے تو مسٹر جناحؒ کے ساتھ ان کے روابط قائم ہوئے اور انہیں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ علامہ اقبالؒ کی نگہِ جوہر شناس اور دوررس نے جلد بھانپ لیا کہ ہندی مسلمانوں کی کشتی جس سیاسی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے، اسے وہاں سے جناحؒ کے پتوار ہی نکال سکتے ہیں لیکن (اس وقت) ان دونوں کے مقاصد اور مسالک میں جو اختلاف ہی نہیں، جو تضاد اور تصادم تھا وہ واضح تھا لیکن اقبالؒ کی بلند نگہی اور جناحؒ کی کشادہ قلبی نے ایسا انقلابی اثر پیدا کیا کہ جناحؒ، اقبالؒ کا ہمرنگ وہم نوا ہو کر 1934ء کے اواخر (یا 1935ء کے اوائل) میں وطن واپس آ گیا اور یہاں سے ان کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس میں قدمِ اول، مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کا اثبات تھا۔

## 1937ء کے الیکشن

اس وقت ہندوستان کے مسلمان اس قدر مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے کہ ان کی الگ، مستقل قومیت کا تعین تو ایک طرف، انہیں کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا بھی ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جب قائداعظمؒ نے اس کا عزم کر لیا تو پھر ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لئے انہوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور اس کے عملی مظاہرہ کا موقعہ بہت جلد آ گیا۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت، جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ہندی مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ میں بڑا اہم اور

نازک مقام تھا۔ اسے ان کی جداگانہ قومیت کا معیار قرار پانا تھا۔ اس کے لئے قائداعظمؒ نے سنٹرل پارلیمانی الیکشن بورڈ کی تشکیل کی۔ اس بورڈ میں مسلمانوں کی جس قدر مختلف الخیال جماعتوں کے نمائندگان شریک تھے' تاریخ کا طالب علم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ قائداعظمؒ نے اس قدر مختصر سی مدت میں ان متضاد عناصر کو یکجا کس طرح کر لیا تھا؟ (مولانا) ظفر علی خان کی اتحادِ ملت پارٹی کے بالمقابل مجلسِ احرار' جن میں آگ اور پانی کا بَیر تھا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے بالمقابل جمیعت العلماء ہند کے سربرآوردہ نمائندگان مثل مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ' مولانا احمد سعید۔ اس وقت حالات کس قدر نامساعد تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ 8 جون 1936ء کو ہونے والے ''مسلم لیگ کونسل اور پارلیمانی بورڈ کے'' اجلاس کس جگہ منعقد ہوں۔ اسلامیہ کالج کا حبیبیہ ہال اس کے لئے موزوں خیال کیا گیا۔ اسلامیہ کالج اس انجمن حمایت اسلام کا تعلیمی ادارہ تھا جس کے استحکام اور فروغ میں علامہ اقبالؒ کے خونِ جگر کا معتدبہ حصہ تھا۔ علامہؒ نے اس کی اجازت کے لئے' انجمن کے اس زمانہ کے صدر نواب مظفر خان کے پاس اپنا آدمی بھیجا' اور (تاریخ اس سانحہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گی کہ) انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور یہ اجلاس مجبوراً برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوئے۔

(اقبال کے آخری دو سال (عاشق حسین بٹالوی' ص 304) لیکن مسٹر جمیل الدین احمد نے کہا ہے کہ یہ اجلاس پہلے میاں عبدالعزیز کے مکان پر اور پھر نیڈو ہوٹل میں منعقد ہوئے تھے۔ Middle Phase of Muslim Political Movement.-P.160)

## پارلیمانی الیکشن بورڈ

قائداعظمؒ کے عزم کو متزلزل کرنے کے لئے یہی دھچکا کچھ کم نہ تھا کہ اس کے بعد دھماکے پر دھماکے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے مولانا ظفر علی خان اور ان کے ساتھی' پارلیمانی بورڈ سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے عبد جمیعت العلماء کی باری آئی۔ یہ حضرات کس بنا پر الگ ہوئے' اس کے متعلق مرزا ابوالحسن اصفہانی نے (جن کا ابھی پچھلے سال انتقال ہوا ہے) اپنی (نہایت پُرعقیدت) کتاب (Qaid-e-Azam, As I Knew Him) میں بڑے تاسف انگیز اور حسرت آمیز انداز میں لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں بہت سی تقریریں ہوئیں۔ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریروں میں مسٹر جناحؒ کی حمایت کرتے ہوئے اس بات کا خیر مقدم کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعال سیاسی میدان میں داخل کر دیا ہے لیکن آخری روز انہی میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ

چونکہ لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے پراپیگنڈے کی مہم کا بڑی خوش اسلوبی اور سرگرمی سے چلانا ضروری ہے، ہمارا خیال ہے کہ دیوبند کو اس پراپیگنڈے کا مرکز بنا دیا جائے بشرطیکہ اس مہم کا تمام خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پروپیگنڈہ کی اس مہم کا آغاز کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی۔ (ص 23)

## پچاس ہزار روپے کے عوض

اس کے بعد اصفہانی (مرحوم) کہتے ہیں کہ اس وقت لیگ کے خزانہ میں پچاس ہزار روپیہ تو ایک طرف، پچاس پیسے بھی نہیں تھے اور ان مولانا حضرات کو اس کا بخوبی علم تھا۔ قائداعظمؒ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس وقت ہمیں خلوصِ نیت سے کام کا آغاز کر دینا چاہئے۔ جب قوم میں اس کا احساس پیدا ہو گیا کہ ہمارا موقف حق پر مبنی ہے تو روپے کی کمی نہیں رہے گی۔ لیکن یہ حضرات اس سے مطمئن نہ ہوئے اور مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس سے جا ملے اور پھر بقایا ساری عمر اس پروپیگنڈہ کے لئے وقف کر دی کہ جناحؒ اور مسلم لیگ کا نظریہ اور مسلک غیر اسلامی ہے اور ہندو کا موقف ''عین مطابقِ اسلام''! (یاللعجب) پچاس ہزار روپے میں، کفر اسلام ہو گیا اور اسلام کفر۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

اس ارزاں فروشی کا اندازہ اس خط سے لگائیے جو پنڈت جواہر لعل نہرو نے 5 جولائی 1937ء کو جھانسی کے بائی الیکشن کے سلسلہ میں، مسٹر رفیع احمد قدوائی (مرحوم) کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے وہ باہر سے بھیجے جا چکے ہیں اور ابوالکلام آزاد نے اس کی بابت حسین احمد مدنی اور بشیر احمد کو مطلع بھی کر دیا ہے اور احمد سعید کو تار بھی دے دیا ہے۔ انہیں سفر خرچ دینا چاہئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ مالی امداد بھی فراہم کی جائے۔ اس سلسلہ میں سات سو روپیہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔

**(Jamil-ud-Din Ahmad, Middle Phase of Muslim Political Movement. P-201)**

یہ تھی قیمت دوقومی نظریہ کو خلاف اسلام اور متحدہ قومیت کو عین مطابق اسلام قرار دینے کی!

## بورڈ سے علیحدگی

اس کے بعد احرار پارٹی کی باری آئی۔ یونینسٹ پارٹی کے سر فضل حسین (مرحوم) نے مشہور کر دیا کہ مسٹر جناحؒ نے بمبئی کے

تاجروں اور راجہ محمود آباد سے پارلیمانی بورڈ کے لئے کئی لاکھ روپے حاصل کئے ہیں۔ اس سے احرار کے چودہری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ اس فنڈ میں سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ ان کے حصے میں ضرور آئے گا لیکن پارلیمانی بورڈ نے اس کے برعکس یہ شرط عائد کر دی کہ جس امیدوار کو لیگ کا ٹکٹ دیا جائے گا اسے پانچ سو روپیہ بورڈ کے فنڈ میں جمع کرانا ہوگا۔ اس سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ بھی مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔ (عاشق حسین بٹالوی' ص 326)۔ اور پھر بقایا عمر جناحؒ کو کافر قرار دینے کے ''جہاد'' میں گزار دی!

پنجاب میں یہ کچھ ہو رہا تھا تو مسلم لیگ کے مرکزی بورڈ میں حالات اس سے بھی زیادہ مایوس کن تھے۔ یو۔ پی سے نواب چھتاری۔ سر محمد یوسف اور نواب زادہ لیاقت علی خان نے بورڈ سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ کے بجائے نیشنل ایگریکلچرل پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یاد رہے کہ نواب زادہ لیاقت علی خان کو ابھی چند ماہ قبل آل انڈیا مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کیا گیا تھا۔ یہ پارٹی کس قسم کی تھی اور ان حضرات کا خمیر کس قسم کی مٹی سے اٹھا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب نواب چھتاری نے' یو۔ پی کے گورنر کو ان ناموں کی فہرست بھیجی جنہیں پارلیمانی بورڈ میں شامل کیا جانا مطلوب تھا تو گورنر صاحب اس پر سخت برافروختہ ہوئے اور نواب صاحب نے معافیاں مانگتے ہوئے وہ فہرست واپس لے لی اور۔۔۔ اپنے رفقاء سمیت پارلیمانی بورڈ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ (شریف الجاہد صاحب' روزنامہ پاکستان ٹائمز' مورخہ 23 مارچ 1981ء) بہار سے سید حسین امام اور سید عبدالعزیز نے بھی بورڈ سے استعفیٰ دے دیا۔ بنگال میں مولوی فضل الحق نے لیگ سے الگ ہو کر نہ صرف اپنی جداگانہ پارٹی۔۔۔ کرشک پروجا پارٹی۔۔۔ تشکیل کر لی بلکہ لیگ کے خلاف سب وشتم کا افسوس ناک سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ (عاشق حسین بٹالوی ''اقبال کے آخری دو سال'' ص 352-342)۔

پنجاب سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے۔ یعنی ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی خان۔ راجہ صاحب (مرحوم) اس کامیابی کے بعد سیدھے یونینسٹ پارٹی کے جلسے میں پہنچے اور جاتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کو چھوڑ کر' یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو گئے ہیں۔ سر سکندر حیات نے ان کا استقبال کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ:

> راجہ صاحب میری مرضی اور میرے ایما سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے لیکن انہوں نے شروع ہی سے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ الیکشن میں کامیاب ہونے کے فوری بعد یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو جائیں گے۔

(عاشق حسین بٹالوی۔ ''اقبال کے آخری دو سال''۔ ص 352-342)

مجھے عزیزانِ من! آج (پچاس سال کے بعد) ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن (چونکہ تحریکِ پاکستان کی کوئی

مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی) میں سمجھتا ہوں کہ ہماری نئی نسل کو (جس نے وہ دور دیکھا ہی نہیں) یہ بتانے کی اشد ضرورت ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں قائداعظمؒ نے اس مہم کا آغاز کیا تھا اور وہ کس قسم کے ''رفقا'' تھے جن کے ساتھ آپ کو پالا پڑا تھا! آپ سوچئے کہ اگر قائداعظمؒ کے سوا کوئی لیڈر بھی ہوتا تو وہ ان حالات سے بددل ہو کر مسلمانوں کے سیاسی میدان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ چھاڑ الگ ہو جاتا لیکن یہ قائداعظمؒ کا عزمِ راسخ تھا جس نے ایسے نامساعد حالات اور اس قسم کی ہمت شکن مایوسیوں کا کوئی اثر نہ لیا اور کامل استقامت اور استقلال اور پوری دل جمعی اور سکونِ قلبی کے ساتھ اس وادیٔ پُرخار میں مردانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے۔ اتنا ہی نہیں کہ وہ آگے بڑھتے گئے بلکہ ان کے حوصلے اور بھی بلند اور ان کی جرأتیں اور بھی بے باک ہو گئیں۔ (مثلاً) انہوں نے مارچ 1939ء میں مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے للکار کر کہا تھا کہ:

> میں انگریز اور ہندو دونوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم الگ الگ یا دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ نہ تم اس تہذیب کو مٹا سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ زندہ رہا ہے۔ اور زندہ رہے گا۔ تم ہم پر ظلم و ستم کرو۔ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کرو۔ ہم ایک فیصلہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ عزم کر لیا ہے کہ ہم لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔

اس سے بھی چند ماہ پہلے سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس (منعقدہ اکتوبر 1938ء) میں کہا کہ:

> برطانیہ، ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس کے پاس قوت ہو، لیکن ہم برطانیہ اور ہندو دونوں سے لڑیں گے۔

سچ ہے۔

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

## کفر کے فتوے

لیکن اس جہاد میں ہندو کی تیغ وسناں اور انگریز کی توپ و تفنگ سے کہیں زیادہ جگر پاش اور دل خراش ہمارے محافظانِ دینِ مبین کے کفر کے فتوؤں کے تیر و تبر تھے۔ انہی مولانا مدنی (مرحوم) نے جو پچاس ہزار روپیہ نہ ملنے پر لیگ سے الگ ہو کر، کانگریس کی آغوش میں جا بیٹھے تھے۔ فتویٰ صادر فرما دیا کہ:

مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت حرام ہے اور قائداعظم کافرِ اعظم ہے۔

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص 1012)

اور اس مجلس احرار کے ایک ممتاز لیڈر (مولانا) مظہر علی اظہر نے، جس نے پانچ سو روپے پر لیگ کا ساتھ چھوڑا تھا، قائداعظمؒ کی شادی کے سلسلہ میں ایک سراسر غلط اتہام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ:

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا۔ یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم (معاذ اللہ)۔

اور خود مجلسِ احرار نے اپنی ایک قرارداد میں کہا تھا کہ:

یہ اجلاس ایک بار پھر اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ غیر اسلامی ہے۔

دوسری طرف سے آواز آتی تھی کہ:

بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے عقائدِ کفریہ، قطعیہ، یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شرالعام ہے اور بے توبہ مرے تو مستحق لعنتِ عزیز علام؟

(فرقہ بریلوی کی کتاب منجانب اہل سنۃ عن اہل الفتنۃ۔ ص 122)

لیکن قائداعظمؒ پر ان فتوؤں کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ایک تو وہ جانتے تھے کہ یہ حضرات ان سے کتنے پیسوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ (اے کاش! اُس وقت لیگ کے پاس پچاس ساٹھ ہزار روپیہ بھی ہوتا تو تحریکِ پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور مملکتِ پاکستان کا رنگ بھی کچھ اور۔ بعض اوقات کتنے چھوٹے چھوٹے واقعات تاریخ کا رُخ بدل دیتے ہیں!) اور دوسرے، انہیں اس کا بھی علم تھا کہ ان کے فتوے بدلتے کس آسانی سے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ جب کانگریس نے ترکِ موالات کا ریزولیوشن پاس کیا تو جمیعتہ العلماء نے بھی قرآن و حدیث کی بنا پر ترکِ موالات کا فتویٰ دے دیا۔ پھر حالات بدلے۔ اور سی۔ آر۔ داس اور موتی لال نہرو نے کونسلوں کے مقاطعہ کی شرط اٹھادی تو انہی مولوی صاحبان نے پہلا فتویٰ منسوخ کر کے کونسلوں میں داخلے کو جائز قرار دے دیا۔ 1927ء میں انہی مولویوں کو کانگریس سے کچھ ذاتی پرخاش ہوئی تو جھٹ آغا خان اور سر شفیع کی قیادت قبول کر کے جداگانہ انتخاب کی حمایت اور نہرو رپورٹ کی مخالفت کا نیا فتویٰ صادر کر دیا۔ (ہماری قومی جدوجہد 1938ء، عاشق حسین بٹالوی، ص 70)۔

☆☆☆

مخالفین یہ حربے استعمال کر رہے تھے اور جناحؒ کا یقینِ محکم اور عزمِ راسخ اُسے ان غوغا آرائیوں سے بے نیاز، جانبِ منزل رواں دواں لئے چلا جا رہا تھا۔

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود ماندِ کہکشاں بگریبانِ مرغزار
وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب در برگرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ، از ہمہ بیگانہ می رود

(پیامِ مشرق، ص151)

1937ء کے انتخابات کے نہایت تلخ و یاس انگیز تجربات کے بعد قائداعظمؒ کے ناقابلِ شکست عزم نے اس تجویز پر صاد کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس (اپریل 1938ء میں) اسی لاہور میں منعقد کیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ شاید وہ (غیر شعوری طور پر) اپنے 1930ء کے خواب کی محسوس تعبیر کا پُر کیف نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سر سکندر حیات اور اس زمانہ کے خود پراونشل مسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ (نواب سر شاہ نواز ممدوٹ) کی سازش سے وہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی لیکن قائداعظمؒ نے ہمت نہ ہاری تا آنکہ دو ہی سال بعد، وہ اجلاس، اسی لاہور میں، اس استقبالیہ کمیٹی کے زیر اہتمام، جس کے صدر وہی نواب ممدوٹ تھے، اس شان و شکوہ اور عظمت و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا جس کی مثال تاریخ میں بمشکل ملے گی۔ اسی کی یاد میں آج کی ہماری یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے۔

لیکن اس اجلاس کا انعقاد قائداعظمؒ کی استقامت اور عزم کا امتحان اپنے آغوش میں لئے تھا۔ یہ داستان بڑی حیرت انگیز بھی ہے اور جرأت آموز بھی، اس لئے میں اسے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بالخصوص اس لئے کہ یہ میری شنید نہیں، دید ہے۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں۔ شاہد ہی نہیں بلکہ اس کارزار میں خود بھی شریک تھا۔

## لاہور کا اجلاس

1937ء کے انتخابات کے وقت مسلم لیگ کی کسمپرسی کی جو حالت تھی اسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس سے اگلے سال آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد کرنے کی تجویز کو جس طرح ناکام بنا دیا گیا تھا، وہ بھی ہماری نظروں سے گذر چکا ہے لیکن اس مردِ آہن کی اَن تھک کوششوں اور بے پناہ ہمتوں نے دو ہی سال کے عرصہ میں قوم میں جو انقلاب پیدا کر دیا تھا اس کی نظیر بھی تاریخ میں کم

ہی ملے گی۔ چنانچہ جب 1940ء کے اوائل میں یہ فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مارچ میں لاہور ہی میں منعقد ہوگا تو قوم نے جس ذوق وشوق، جس جوش وخروش، جس دبدبہ اور طنطنہ سے اس فیصلہ کا استقبال کیا اس سے نظر آتا تھا کہ یہ دو سال پہلے کی قوم نہیں۔ ایک نئی قوم ہے جو تازہ امنگوں اور پُر کیف آرزوؤں کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے اپنے نصب العین کی طرف بڑھے چلی جا رہی ہے۔ ہر نگہ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ یہ قوم نہیں، پُر خلوص دِلوں کا ایک سمندر ہے جس کی تلاطم خیزیوں کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ ہماری نئی نسل کی حرماں نصیبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اس قوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں جو خلوص وایثار کا شعلہ جوالہ تھی۔ اس نے اس قوم کو دیکھا ہے جو راکھ کا ڈھیر اور افسردگیوں اور مایوسیوں کا ماتم کدہ ہے۔ غالبؔ نے اس تقابل کو جس دلکش لیکن حسرت آمیز انداز سے بیان کیا ہے اس سے بہتر منظر کشی ممکن نہیں۔ اس نے سو سال پہلے جو کچھ کہا تھا وہ آج ہمارے حال پر صادق آتا ہے۔ اُس نے کہا تھا ؎

اے تازہ و اردانِ بساطِ ہوائے دِل — زنہار، اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ حیرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

بہرحال، اس اعلان پر کہ لیگ کا سالانہ اجلاس، مارچ میں لاہور میں منعقد ہوگا، سارا ملک، دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش کا بہار آفریں منظر پیش کر رہا تھا، اِدھر قوم کی یہ کیفیت تھی لیکن دوسری طرف اس کے مخالفین کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ان کی مذموم کوشش تھی کہ کچھ ایسا کیا جائے کہ یہ اجلاس منعقد نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لئے کانگریس کے منتخب صدر، (مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم) لاہور آئے اور سر سکندر حیات (مرحوم) سے خفیہ ملاقات کی۔ اس میں کیا طے پایا اس کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اجلاس کی تاریخیں قریب تر آتی گئیں۔ لوگوں کا ولولۂ شوق تیز تر ہوتا گیا۔ تیاریاں زور پکڑتی گئیں، کہ جلوسِ صدر مسلم لیگ (قائداعظمؒ) کے عین دو دن پہلے (19 مارچ 1940ء کی) شام کے قریب یہ وحشت انگیز خبر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی کہ لاہور میں خاکساروں کے جلوس پر گولی چلا دی گئی ہے۔ اس سے تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ دفعہ 144 نافذ کر دی گئی بلکہ کرفیو لگا دیا گیا۔ مجھے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ذرا پہلے مل گئی تھی۔ میں (علامہ مشرقی مرحوم سے ملنے کے بعد، جو اس وقت دہلی آ گئے تھے) اس خبر کو قائداعظمؒ کے گوش گزار کرنے کے لئے

ان کے دولت کدہ پر پہنچا۔ وہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں ان سے اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ مجھے اندازہ تو پہلے ہی ہو گیا تھا۔ قائداعظمؒ نے بعد میں بتایا کہ لاہور سے' نواب شاہ نواز (مرحوم) چیئرمین استقبالیہ کمیٹی کا فون تھا۔ اُدھر سے کیا کہا جا رہا تھا اسے تو میں سُن نہیں سکتا تھا۔ اِدھر کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک فقرہ پر' پورے دبدبے اور طنطنے کے ساتھ کوہ آسا عزم و اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخری فقرہ کچھ اس طرح کا تھا کہ خواہ مارشل لاء نافذ ہو یا کرفیو لگے۔ یہ اجلاس منعقد ہو گا اور ہر حال میں ہو گا۔ میں پروگرام کے مطابق لاہور پہنچ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق لاہور پہنچے اور جس شان و شوکت' لیکن انتہائی سکوت و سکون کے ساتھ وہ اجلاس منعقد ہوا۔ چشم فلک نے اس کی مثال کم دیکھی ہو گی۔

(ضمناً) معلوم نہیں! یہ قائداعظمؒ کی ذات کے ساتھ لوگوں کی والہانہ عقیدت اور احترام تھا یا ان کی شخصیت کی سحر انگیزی۔ اُس زمانے میں قائداعظمؒ اردو کے چار لفظ بھی نہیں جانتے تھے۔ کیفیت یہ ہوتی تھی کہ لاکھوں کا مجمع ہے جس میں نوے فیصد سامعین انگریزی کا ایک لفظ نہیں سمجھتے۔ قائداعظمؒ دو دو' تین تین گھنٹوں تک انگریزی میں تقریر کر رہے ہیں اور کیا مجال کہ اس لاکھوں کے مجمعے میں کسی کے کھانسنے تک کی آواز بھی سنائی دے! اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ قوم کس قدر (Disciplined) ہو چکی تھی۔ آج سیاسی بیداری نام رہ گیا ہے ہنگامہ خیزی' غوغا آرائی اور فساد انگیزی کا۔ یہ قائداعظمؒ کی تربیت یا ان کے ذاتی کردار کا غیر شعوری اثر تھا کہ قریب دس سالہ تحریکِ پاکستان کے دوران' جب چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑکائی جا رہی تھی۔ وابستگانِ تحریک کی طرف سے نہ کسی جگہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کیا گیا' نہ فساد کھڑا کیا گیا۔ قوم پر راہنمایانِ قوم کی سیرت و کردار کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منافقانہ نہ ہو بلکہ خلوص اور صداقت پر مبنی ہو۔ قائداعظمؒ نے قوم کو' یقین' اتحاد اور ضبط کا جو سلوگن دیا تھا' قوم اس کی محسوس علامت بن گئی تھی۔ ان پُر آشوب اور صبر آزما حالات میں قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی جسے اس تحریک کے سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ اس ستم ظریفی اور بوالعجبی کو کس طرح فراموش کر دے گی کہ جس وقت ''مسٹر جناح'' یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نقوش قدم کے اتباع میں اسلامی مملکت قائم کی جائے گی' (مولانا) ابوالکلام آزاد (جنہیں کسی زمانے میں امام الہند کہہ کر پکارا جاتا تھا) رام گڑھ کے مقام پر کانگریس کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں یہ دیا کھیان دے رہے تھے کہ:

> وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک ہی روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو تھکنے نہیں دیتا۔

مسٹر جناحؒ یہ کہہ رہے تھے کہ:

مسلمان، دین کے اشتراک کی بنا پر، ہندوؤں، بلکہ ساری دنیا کے غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور مولانا آزاد یہ فرما رہے تھے کہ:

یہ تخیل کہ مسلمان بر بنائے مذہب ایک جداگانہ قوم ہیں اور ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ انگریزوں کا وضع کردہ ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔

قرارداد پاکستان کی مخالفت، اکیلے (مولانا) ابوالکلام آزاد کی طرف سے ہی نہیں ہوئی تھی۔ تمام نیشنلسٹ مسلمان اس کی مخالفت میں انتہائی گرم جوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ جمیعت العلماء ہند (جس کے نامور سربرآوردگان کے کردار کی ایک جھلک ہم انتخابات 1937ء کے پچاس ہزار روپیہ کے مطالبہ کے سلسلہ میں دیکھ چکے ہیں)۔ احرارِ اسلام۔ سرخ پوش۔ وغیرہم، سب کی طرف سے مخالفت ہوئی تھی۔ سندھ کے خان بہادر اللہ بخش (مرحوم) نے اس قرارداد کے متعلق کہا تھا:

یہ اسکیم آزادئ ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔

عبدالرحمٰن سرحدی نے کہا:

یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے فرمایا:

اس سے برطانوی حکومت قائم رہے گی۔

احراری لیڈر (مولانا) حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا:

یہ اسکیم ملک کے مفاد کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے بالخصوص نقصاں رساں ہے۔ اگر کبھی اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

سب سے زیادہ دلچسپ کردار سر سکندر حیات (مرحوم) کا تھا۔ ان کی مخالفت کے علی الرغم جب یہ اجلاس منعقد ہو گیا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اس کمیٹی میں شامل ہیں جس نے قرارداد پاکستان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد ہم انہیں اسلامیہ کالج کے طلبا کو یہ نصیحت

کرتے ہوئے سنتے ہیں کہ:

زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو۔ تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشاء ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو۔ یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہوگا۔

سر سکندر کی طرف سے اس مخالفت کا نتیجہ تھا کہ ان کی پارٹی (یونینسٹ) کے سربراہ سر چھوٹو رام کہتے تھے کہ:

سر سکندر کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیر اعظم تو ایک طرف' کوئی ذمہ داری کا عہدہ لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔ پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔

مخالفتوں کے اس تمام ہجوم میں 'عزمِ راسخ' کا یہ فولادی پیکر' چٹان کی طرح کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

لاہور کے پلیٹ فارم ہی سے مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا اور آج (یکم مارچ 1941ء کو) میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کے براعظم میں پاکستان کے سوا کوئی دستور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پاکستان بن کر رہے گا۔

☆☆☆

## مودودی مرحوم کی مخالفت

یہ مخالفتیں ہنگامی اور وقتی تھیں۔ جوں جوں ان کا اثر کم ہوتا گیا' یہ ماند پڑتی گئیں۔ لیکن سب سے زیادہ شدید اور دور رس مخالفت ایک اور گوشے کی طرف سے ہوئی۔ یہ مخالفت تھی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے۔ ان کی طرف سے مخالفت بڑی غیر متوقع بھی تھی اور تعجب انگیز بھی۔ یہ پہلے کانگریسی تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک نیشنلسٹ علماء کے آرگن الجمیعتہ کے حلقہ ادارت میں شامل رہے اور گاندھی جی کی سوانح عمری بھی مرتب کی۔ پھر یہ حیدر آباد (دکن) چلے گئے اور وہاں علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ دو قومی نظریہ کی تائید میں مضامین لکھتے رہے۔ اس سے یہ مسلم لیگی حلقوں میں قدرے مقبول ہوئے تو یہ کہتے ہوئے پنجاب کی طرف آ گئے کہ وہ علامہ اقبالؒ کے مشن کی تکمیل کے لئے آ رہے ہیں۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے جب اپنے پاؤں جما لئے تو بقایا ساری عمر (تقسیم ہند سے پہلے تحریک پاکستان کے دوران اور تشکیلِ پاکستان کے بعد مرتے دم تک) علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور پاکستان کی مخالفت میں بسر کی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب رہے۔ علامہ اقبالؒ نے مملکتِ پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا تھا

کہ اس سے وہ نقوش مٹ جائیں گے جو ہمارے دور ملوکیت میں مذہبی پیشوائیت کی وساطت سے اسلام پر لگ چکے تھے اور جس سے اس کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اور قائداعظمؒ نے بار بار اعلان کیا تھا کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی قائم نہیں ہوگی۔ مودودی (مرحوم) کی پہلے تو یہ اسکیم تھی کہ پاکستان بننے ہی نہ پائے اور جب یہ بن گیا تو انہوں نے یہ اسکیم مرتب کی کہ جس تھیاکریسی کو مٹانے کے لئے اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اس مملکت کو قائم کرایا ہے' اس میں وہی تھیاکریسی مسلط رہے۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے) اس وقت پاکستان میں جو تھیاکریسی مسلط ہو رہی ہے' وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم ہی کا نتیجہ ہے۔ یہ وجہ ہے جو ہم نے کہا ہے کہ مودودی (مرحوم) اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں۔ چونکہ طلوع اسلام کا مشن' پاکستان میں (اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور کے) اس اسلام کو برسر اقتدار لانا تھا جس میں تھیاکریسی کا کوئی عمل دخل نہ ہو' اس لئے وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم کی مخالفت میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ ہمسفر رہا۔ اس سلسلہ میں' اس میں مسلسل اور متواتر لکھا جاتا رہا اور اس کثرت سے کہ اسے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں مرتب ہو جائیں۔ طلوع اسلام میں جو کچھ لکھا گیا اسے بار بار دھرانے کی ضرورت اس لئے پیش آتی رہی کہ (دیگر مخالف جماعتوں نے) تشکیلِ پاکستان کے بعد اس کا اعتراف کر لیا کہ انہوں نے واقعی اس تحریک اور مطالبہ کی مخالفت کی تھی لیکن مودودی (مرحوم) اور ان کی جماعت برابر یہ کہتی چلی گئی کہ انہوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت قطعاً نہیں کی تھی۔ میں نے اس وقت اس تلخ داستان کے دہرانے کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے اس وقت جس اسلام کو پاکستان میں نافذ کیا جا رہا ہے وہ مودودی (مرحوم) ہی کی اسکیم کا نتیجہ ہے۔

مرحوم نے (پنجاب آنے کے بعد) تحریک پاکستان کے خلاف بالعموم اور قائداعظمؒ کے خلاف بالخصوص اپنے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جسے بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کا نام تھا ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش''۔ حصہ سوم۔ ذیل میں جو اقتباسات پیش کئے جائیں گے وہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن سے ماخوذ ہیں جو آرمی پریس۔ دہلی میں چھپا تھا۔ ان اقتباسات کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

مطالبۂ پاکستان کی بنیاد اس دعوے پر تھی کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ مودودی (مرحوم) نے کہا کہ وہ کون سے مسلمان ہیں جن کے الگ قوم ہونے کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں؟

> یہ..... جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے' اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا

ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے' اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرتِ رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔ ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے' کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں' حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا' اسلامی اصول ہی پر ہوگا' پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔

(جلد سوم' ص 130)

یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے' وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں' اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔

(جلد سوم' ص 166)

ان وجوہ سے وہ عظیم الشان تعداد' جو ہم کو مردم شماری کے رجسٹروں میں نظر آتی ہے' اسلامی اغراض کے لئے قریب قریب بالکل بے کار ہو چکی ہے۔ اس کی تعداد کے بھروسے پر اگر کچھ کیا جائے گا تو سخت مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(جلد سوم' ص 56)

دوسری جگہ لکھا:

اگر آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل' کوے' گدھ' بٹیر' تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک ''چڑیا'' ہے۔

(جلد سوم' ص 31)

اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں جن پر اشرفی کا ٹھپہ لگایا گیا ہو۔ وہ سکہ کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں۔ ایسا ایک سکہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے' اس کے نزدیک' زیادہ قیمتی ہے۔

(جلد سوم' ص 167)

یہ تو رہا مسلم قومیت کے متعلق۔ ان کی قیادت (لیڈرشپ) کے متعلق کہا:

## مسلم لیگ کی قیادت کے خلاف

افسوس کہ لیگ کے قائداعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ (جلد سوم' ص 37) ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تنظیم کے استادِ فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں' سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے۔ (جلد سوم' ص 70) ان لوگوں کی عملی زندگی اور ان کے خیالات' نظریات' طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔

(جلد سوم' ص 74)

اس کے بعد کہا:

اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں' ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی (جیسا کہ ترکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں) تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق ہی کیا ہے؟ ہیرے نے اگر اپنی جوہریت ہی کھو دی تو پھر جوہری کو اس سے کیا دلچسپی کہ وہ کم بخت پتھر کی صورت میں باقی رہے یا منتشر ہو کر خاک میں رل مل جائے۔

(جلد سوم' ص 8)

مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے جواز' بلکہ ضرورت کے لئے دلیل یہ دی جاتی تھی کہ اس میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی۔ اس حقیقت کو 1930ء سے لے کر 1947ء تک برابر دہرایا جاتا رہا۔ لیکن مودودی (مرحوم) کا ارشاد یہ تھا کہ:

مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمحِ نظر پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے' ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری

نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی' ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل لعنت۔

(جلد سوم' ص 132-130)

جو کچھ مودودی (مرحوم) اس وقت کہتے تھے' اسے آپ نے سُن لیا۔ اس کے برعکس حقیقت کیا تھی اس کے متعلق ہم سے نہیں' خود مودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے 1976ء میں ایک بیان دیا تھا جو روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت بابت 14 اگست 1976ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز' پاکستان' ایک اسلامی مملکت ہوگا جس میں اسلام کا قانون جاری ہوگا اور اسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔ اسی لئے ان کا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ مسلم لیگ کے لیڈر بھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر' خود قائداعظمؒ مرحوم و مغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا۔

اس کے باوجود وہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں کہتے تھے کہ:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔

(جلد سوم' ص 93)

اس زمانے میں ان سے کہا گیا کہ چلئے! مسلمانوں میں ہزار نقص سہی۔ مسلم لیگ اور اس کی قیادت بھی آپ کے نزدیک اسلامی معیار پر پوری نہیں اترتی لیکن اس وقت جو جنگ ہو رہی ہے اس میں مطالبہ صرف اتنا ہے کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں میں اپنی آزاد مملکت قائم کر لی جائے۔ اگر یہ الگ خطۂ زمین مل گیا تو اس میں اسلامی مملکت قائم ہو جانے کا امکان تو ہوگا۔ آپ وہاں اسلامی حکومت قائم کر لیجئے گا۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے۔

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی' مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ' سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے' اس کی بنا پر میں اس کو

ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔

(جلد سوم، ص168)

تاریخ پاکستان میں 46-1945ء کا زمانہ بڑا نازک تھا۔ انگریز اور ہندو نے 1937ء کے انتخابات سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر ایک بار الیکشن پھر کرائے جائیں تو مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعوے کی قلعی کھل جائے گی۔ اس مقصد کے لئے 1946ء میں انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ ان انتخابات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قائداعظمؒ (اپنی انتہائی خرابیٔ صحت کے باوجود) ملک بھر میں مسلسل دورے کر رہے تھے اور مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ یاد رکھو:

> اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم ناکام رہ جائیں گے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

(23 مارچ 1945ء کو قوم کے نام خطاب)

اس وقت ایک ایک ووٹ فیصلہ کن حقیقت بن سکتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں مودودی (مرحوم) سے کہا گیا کہ وہ انتخابات میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ:

> ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔

(اخبار کوثر، مورخہ 28 اکتوبر 1945ء بحوالہ ''مولانا مودودی، دعاوی اور عمل''، ص8)

## آخری وقت تک مخالفت

مودودی (مرحوم) کی اس قدر شدید مخالفت کے باوجود قائداعظمؒ کو کامیابی حاصل ہوئی اور حکومتِ برطانیہ نے فروری 1947ء میں اعلان کر دیا کہ جون 1948ء تک ملک کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس پر مودودی صاحب نے سوچا کہ مسلم اکثریت کے صوبے ان کی مخالفت سے متاثر نہیں ہوئے تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبۂ پاکستان کے خلاف اکسانا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جماعت اسلامی کے وفود نے اقلیتی صوبوں کا رُخ کیا اور اپریل 1947ء کے اواخر میں ٹانک، مدراس اور پٹنہ میں جماعت کے مخصوص اجلاس منعقد کئے۔ ان میں مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے کیا کہا جاتا تھا، اس کا اندازہ خود مودودی صاحب کی ایک تقریر

سے لگائیے جو انہوں نے 25 اپریل 1947ء کو مدراس میں کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

> ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کر لیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لا کر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجے پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔

(روئیدادِ جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص 114 و ص 120)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان کی بجائے اگر مسلمانانِ ہند اس دعوت کو قبول کر لیتے جو وہ دے رہے تھے:

> تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے۔ (یاد رکھئے) جوں ہی ہندوستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوا، اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو اپنی واقعی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہو جائے گا۔ (ایضاً)۔

ان کے ایک اہم رفیق، ملک نصر اللہ خان (مرحوم) نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اسلام کے نفاذ اور اقامتِ دین کے لئے کسی خطۂ زمین کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ پٹنہ کے اجلاس میں انہوں نے اپنی تقریر کے دوران کہا:

> بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کے آغاز سے پہلے زمین کا ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے جہاں دین کو برپا کر سکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھدار اور بظاہر معقول اور عالمِ دین لوگوں تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو یا تو سیاست اور فلسفۂ اجتماع سے کلیتاً نابلد ہیں اور محض اِدھر اُدھر سے چند باتیں اور نعرے سُن سُنا کر سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے ہیں اور کوئی اور سمجھدار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈری کے درجے کو پہنچ گئے ہیں یا پھر نفس پرستی میں مبتلا اور خدا کے خوف سے آزاد ہونے کی وجہ سے اَن پڑھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ ورنہ موٹی بات ہے کہ حکومت کے قیام کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطعاتِ زمین تاکتے پھریں۔ اس کے لئے آپ کو زمین کی نہیں بلکہ ایک ایسی مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیشِ نظر نظریۂ حکومت کو ماننے اور اس

کے لئے مر مٹنے والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو جہاں بھی وہ ہوگی وہیں وہ اس نظریے کی حکومت قائم کر لے گی۔

(ایضاً' ص154)

(ضمناً) مسلم اقلیتی صوبوں کو مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کے لئے اکسانے کی اسکیم' مودودی (مرحوم) کی اپنی نہیں تھی۔ یہ درحقیقت (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی صدائے بازگشت تھی انہوں نے اپریل 1946ء میں ایک بیان جاری کیا تھا جس میں پہلے کہا تھا کہ:

مجھے اعتراف ہے کہ پاکستان کی اصطلاح ہی میری روح کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرۂ ارض کے بعض حصے پاک ہیں اور باقی ناپاک۔ زمین کے مختلف خطوں کی ''پاک اور ناپاک'' کی یہ تقسیم یکسر غیر اسلامی اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام اس قسم کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''خدا نے پورے کرۂ ارض کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

آیئے! ذرا جذبات سے ہٹ کر سوچیں کہ اگر پاکستان کی اسکیم عمل میں آ گئی تو اس کے نتائج اور عواقب کیا ہوں گے۔ اس سے ہندوستان دو مملکتوں میں بٹ جائے گا ایک میں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اور دوسری میں ہندو۔ ہندوستانی مملکت میں قریب ساڑھے تین کروڑ مسلمان رہ جائیں گے جو مختلف گوشوں میں اقلیت کی حیثیت سے بکھرے ہوں گے..... ان علاقوں میں انہوں نے ہزار سال سے اپنے مساکن تعمیر اور مسلم ثقافت اور تہذیب کے مراکز قائم کئے تھے۔ وہ ایک صبح اٹھیں گے اور اپنے آپ کو ان علاقوں میں اجنبی اور حریف پائیں گے۔ وہ صنعت و حرفت۔ تعلیم اور معاشیات میں' (ہندوؤں سے) بہت پیچھے ہوں گے اور اپنے آپ کو اس مملکت کے رحم و کرم پر محسوس کریں گے جس میں اس وقت خالصتہً ہندو راج ہوگا۔

(India Wins Freedom. P.P-142-43)

یہ تھا مخالفتوں کا وہ ہجوم جس کا مقابلہ' قائداعظمؒ کی جانِ ناتواں اکیلے کر رہی تھی۔ یہ سب' اپنے نصب العین کی صداقت پر یقینِ محکم اور اس کے حصول کے لئے عزمِ راسخ کی بدولت تھا۔ سچ ہے۔

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جس شخص کو اپنے مسلک کی صداقت پر یقینِ محکم ہو، وہ اپنے اصولوں کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مقام پر چٹان کی طرح کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مصالحت یا مفاہمت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بڑے سے بڑا لالچ یا مہیب سے مہیب خطرہ اس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ دوٹوک بات کرتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہوتا ہے نہ التباس۔ وہ اپنا دعویٰ صاف اور واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے اور اس باب میں نہ کسی قسم کی مداہنت سے کام لیتا ہے نہ منافقت برتتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قائداعظمؒ کی زندگی اسی قسم کی ہم آہنگیٔ قلب و زبان کی مظہر تھی۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت ہندوستان کو فیڈریشن بنانے کی تجویز پیش کی گئی تو قائداعظمؒ نے اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ انگریز کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ اسکیم پروان چڑھ جائے۔ قائداعظمؒ کو ہمنوا بنانے (یا یوں کہئے کہ خریدنے) کے لئے برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ رمزے میکڈانلڈ نے انہیں ذاتی ملاقات میں کہا کہ اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔ اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے سمجھا کہ ایک صوبے کی گورنری یا لارڈ کا خطاب اتنی بیش بہا قیمت ہے جس کے عوض کسی ہندوستانی کو بھی خریدا جا سکتا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے وزیراعظم کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس پر وہ بڑا متعجب ہوا اور الوداعی الفاظ کہنے کے ساتھ پوچھ ہی لیا کہ آپ کا ایسا ردعمل کیوں ہوا؟ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں انتہائی متانت کے ساتھ کہا کہ:

''اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا' کیونکہ آپ مجھے بکاؤ مال سمجھتے ہیں۔''

لارڈ فنلتھگو اپنے رعب و داب کے لئے بڑا مشہور تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران اس نے وار کونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء مولوی فضل الحق اور سر سکندر حیات کو بھی شامل کر لیا۔ قائداعظمؒ نے وار کونسل کو بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور ان دونوں سے کہا کہ وہ وار کونسل سے مستعفی ہو جائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائداعظمؒ کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ ملاقات کے لئے گیارہ بجے کا وقت مقرر تھا لیکن قائداعظمؒ ٹیلی فون پر بار بار یاددہانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسرائیگل لاج نہ

پہنچے۔۔۔ یہ اس لئے کہ وائسرائے کو معلوم ہو جائے کہ اس کی یہ حرکت قائداعظمؒ کے لئے کس قدر برافروختگی کا موجب ہوئی ہے۔ وہاں جا کر قائداعظمؒ نے وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آپ کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں' کمرے سے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز ہندو لیڈر مسٹر دوارکا داس کانجی نے لکھا تھا:

> یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جناح کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا جس میں اس قدر صداقت اور بیباکی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے منہ پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے جب کہ باقی ہندوستانی لیڈر' جن میں کانگریس ہائی کمان بھی شامل ہے' اس وائسرائے کو بہترین انگلش جنٹلمین اور بہترین عیسائی جنٹلمین جیسے خطابات سے نواز کر اس کی چاپلوسی کرتے تھے۔

یہ اس لئے کہ ایک اصول پرست انسان کے دل میں مصلحت آمیزی کا خیال تک نہیں آ سکتا جو وہ منافقت کا انداز اختیار کرے۔ مروجہ الفاظ میں یوں کہئے کہ قائداعظمؒ کے لغت میں ''نظریہ ضرورت'' جیسے الفاظ ملتے ہی نہیں۔ اقبالؒ نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

قائداعظمؒ کا اپنے مشن کے ساتھ عشق' نہایت پختہ تھا اس لئے اس میں مصلحت کوشی کا شائبہ تک بھی بار نہیں پا سکتا تھا۔ لندن ٹائمز نے ان کی وفات پر ان کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

> انہوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔ وہ جس نقطۂ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک ناقابلِ تسخیر حریف تھے۔

عصرِ حاضر کی میکیاولی سیاست میں حصولِ مقصد کے لئے جو حربہ بھی استعمال کیا جائے جائز قرار پاتا ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کے نزدیک سیاست میں اس قسم کی روش کس قدر قابل مذمت تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے جسے مرزا اصفہانی نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

> 1946ء کا ذکر ہے کلکتہ کے مسلم چیمبر آف کامرس کی ایک نشست خالی ہوئی۔ اس کے لئے مسٹر اصفہانی بطور مسلم لیگی امیدوار کھڑے ہوئے۔ انتخاب بلا مقابلہ ہو رہا تھا کہ تاریخ نامزدگی سے دو دن پہلے' بالکل خلافِ توقع' ایک اور صاحب نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر دیئے۔ اس زمانے میں انتخاب کے معنی محض ایک آدھ نشست حاصل کر لینا نہیں تھا۔ اس سے مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچتا تھا۔ اس لحاظ سے فریقِ مقابل کا یوں سامنے آ جانا وجہِ پریشانی ہو گیا۔ ایک شام (مرحوم) عبدالرحمٰن صدیقی بھاگے بھاگے آئے اور اصفہانی صاحب کو یہ مژدہ سنایا کہ انہوں نے فریقِ مخالف کو اس پر رضامند کر لیا ہے کہ اگر ہم اس کے زرِ ضمانت کا مبلغ اڑھائی سو روپیہ ادا کر دیں تو وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائے گا۔ ہم اس سے بہت خوش ہوئے۔ قائداعظمؒ ہم سے ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے کان میں بھنک سی پڑی تو انہوں نے صدیقی صاحب سے کہا کہ ذرا اپنی بات کو دہرائیں انہوں نے بات سنائی تو قائداعظمؒ نے سخت برافروختہ ہو کر کہا کہ:
>
> > تم نے کیا کہا ہے؟ پیسے دے کر فریقِ مخالف کو بٹھا دینا! یہ بالواسطہ رشوت نہیں تو اور کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ جاؤ! اور اس سے کہو کہ ہمیں یہ منظور نہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے جو اصول بیان فرمایا وہ سننے کے قابل ہے۔ انہوں نے مسٹر اصفہانی سے کہا:

> میرے عزیز! یاد رکھو۔ پبلک لائف میں اخلاقی دیانت' پرائیویٹ لائف سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ (پرائیویٹ لائف میں بددیانتی سے کسی ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے لیکن) پبلک لائف میں بددیانتی سے لاتعداد انسان مجروح ہوتے ہیں اور اس سے ہزار ہا ایسے لوگ بے راہ رو ہو جاتے ہیں جن کا آپ پر اعتماد ہوتا ہے۔

## زمینداری اور سرمایہ داری

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں۔ وڈیروں کی جماعت تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں کے اکثر لوگ مسلم لیگ کے ساتھ تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قائداعظمؒ نے ان لوگوں کو ساتھ رکھنے کے لئے اپنے اصولوں میں کوئی لچک پیدا کر لی تھی یا ان سے کچھ جھوٹے دعوے کر رکھے تھے۔ قطعاً نہیں۔ انہوں نے انہیں وارن کر دیا تھا کہ پاکستان میں نظامِ سرمایہ داری قطعاً بار نہیں پا سکے گا۔ انہوں نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے سیشن میں اعلان کیا تھا کہ:

> اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے فتنہ انگیز' ابلیسی نظام کی رُو سے' جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں' خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے! اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا' اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف انہوں نے قوم کو اس سے بھی متنبہ کر دیا کہ جس طرح نظام سرمایہ داری خلافِ اسلام ہے اسی طرح کمیونزم کا نظام بھی قرآن کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے 9 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> اب کچھ دنوں سے ایک پارٹی بہت متحرک ہوگئی ہے۔ وہ ہے کمیونسٹ۔ ان کا پراپیگنڈہ بڑا پُر فریب ہے اور مَیں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان کے جال میں نہ پھنس جانا۔ ان کا پراپیگنڈہ دام ہمرنگِ زمیں ہے۔ ایک خطرناک پھندا ہے۔ وہ سوشلزم' کمیونزم' نیشنل سوشلزم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھو! ہمارے ہاں ان ''ازمز'' یا اس قسم کی کسی اور ازم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

(تقاریر جناحؒ' جلد دوم' ص 73)

پھر انہوں نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس منعقدہ 19 مارچ 1944ء کے آخری اجلاس میں فرمایا:

یہ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ ہم بے وقوف ہیں۔ان کے اس قسم کے مغالطہ میں رہنے کے لئے کچھ وجہ' جواز ضرور ہے لیکن (یہ قصۂ ماضی ہے) گذشتہ پانچ دس سال میں مسلمانوں میں ایسی تبدیلی آ چکی ہے کہ کمیونسٹ انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔اس لئے مَیں انہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہم سے دستبردار ہو جائیں۔اگر انہوں نے پھر سے وہی کھیل کھیلنا چاہا تو انہیں ایسا منہ توڑ جواب دیا جائے گا (جسے وہ یاد رکھیں گے)۔ہم مسلم لیگ کے ہلال اور ستارہ کے پرچم کے سوا کوئی پرچم نہیں چاہتے۔اسلام ہمارا رہنما بھی ہے اور مکمل ضابطۂ حیات بھی۔ہم کوئی زرد یا سُرخ جھنڈا نہیں چاہتے۔ہم کوئی ازم بھی نہیں چاہتے۔

(بحوالہ 'نوائے وقت' مورخہ 23 اپریل 1976ء)

قائداعظمؒ کے ذوقِ یقین' حسن تدبر' دیانتدارانہ سیاست اور عزمِ راسخ کی بدولت وہ خطہ زمین حاصل ہوگیا جس میں قرآنی نظام مملکت قائم کیا جانا مقصود تھا۔اس سے ان مذہبی جماعتوں نے جنہوں نے اس کی آخر تک مخالفت کی تھی ہمت نہ ہاری۔وہ ہجوم کر کے ادھر آ گئیں۔انہوں نے یہاں آ کر یہ اسکیم مرتب کی کہ یہ خطۂ زمین تو حاصل ہوگیا ہے لیکن اس میں وہ نظام قائم نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا ہے' قائداعظمؒ نے حصولِ پاکستان کے بعد اعلان کیا تھا کہ کچھ بھی ہو:

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی۔جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(تقاریر بہ حیثیت گورنر جنرل' ص 65)

قائداعظمؒ ان مخالف قوتوں کو یہ چیلنج دے کر دُنیا سے تشریف لے گئے اور انہوں نے میدان خالی پا کر اپنی اسکیم کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

یہ حضرات اپنی اسکیم کو اُس دریا کی پرسکوت روانیوں کی طرح آگے بڑھاتے رہے جو سطح پر تو بالکل بے خطر نظر آئے لیکن جس کی تہ میں بڑے بڑے مہیب اژدر اور خوف ناک نہنگ چھپے بیٹھے ہوں۔انہوں نے 1951ء میں' مختلف فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کانفرنس میں یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ پاکستان کا ضابطہ قوانین ''کتاب وسنت'' کے مطابق مرتب کیا جائے۔انہوں نے یہ ریزولیوشن یہ جانتے ہوئے پاس کیا کہ ایسا کیا جانا ناممکن ہے۔بیس برس تک اس ناممکن العمل مطالبہ کا شور مچانے کے بعد اگست 1970ء میں خود مودودی (مرحوم) نے یہ اعلان کر دیا کہ کتاب وسنت کے مطابق پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں کیا جا

سکتا۔ جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کرلیں۔ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں قانون سازی کی صورت کیا ہو؟ فرمایا کہ یہاں فقہ حنفی نافذ کردی جائے۔۔۔وہ فقہ جس کے متعلق ان کا اپنا ارشاد تھا کہ اس نے اسلام کو ''منجمد شاستر'' بنا کر رکھ دیا ہے۔وہ جانتے تھے کہ ''منجمد شاستر'' زمانے کے..... بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔اس لئے اس فقہ کے قوانین پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔وہ یہ کہہ کر چلے گئے اور ملک کی کشتی کو ایسے گرداب میں پھنسا گئے جس سے نکلنا اس کے بس میں نظر نہیں آتا۔

جس اسلام کو نافذ کرنے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اس کے سامنے تو دنیا کی کوئی ازم بھی ٹھہر نہیں سکتی تھی لیکن جو اسلام تھیا کریسی یہاں نافذ کر رہی ہے' اس سے ہماری نوجوان نسل دل برداشتہ ہی نہیں' برگشتہ ہو رہی ہے۔یہ جو آئے دن پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ہماری نئی نسل اسلام کے بہت قریب آ رہی ہے' یہ ابلہ فریبی نہیں تو خوش فہمی ضرور ہے۔یہ نسل اسلام سے (یعنی اس اسلام سے جسے تھیا کریسی یہاں رائج کر رہی ہے) متنفر ہی نہیں' سرکش ہو رہی ہے۔مذہب سے نفرت اور سرکشی' کمیونزم کے لئے راستہ ہموار کر دیتی ہے۔خطرہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ مروجہ اسلام سے برگشتہ ہو کر کمیونزم کے آغوش میں نہ چلا جائے۔مذہب گزیدہ نوجوانوں کے لئے یہ پناہ بڑی پُرکشش خوش آئند ہوتی ہے۔یہ ہے وہ اندیشہ جو ہماری روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ تھیا کریسی کا آخری ردِعمل لادینی ہوتا ہے۔خود ہماری تاریخ میں' دورِ ملوکیت کی تھیا کریسی نے ہلاکو خان کو آواز دی تھی۔ڈر ہے کہ دَورِ حاضر کی ہماری تھیا کریسی روسی آہن کے لئے مقناطیس ثابت نہ ہو جائے۔حکیم الامت کی نگہ دُوررس نے شاید اسی خطرہ کو بھانپ کر کہا تھا کہ ؎

از خاکِ سمر قندے ترسم کہ دِگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

(پیامِ مشرق' ص192)

خدا کرے کہ ہماری یہ کشتِ آرزو جو اس مردِ درویش کے پاکیزہ آنسوؤں اور اس صاحب عزمِ عظیم کی مجاہدانہ گرم جوشیوں سے پروان چڑھی تھی' اس بادِ سموم کی شعلہ باریوں سے محفوظ رہے لیکن قرائن بتا رہے ہیں کہ ہماری یہ دعائیں' تھیا کریسی کی آوردہ اور پروردہ بلاؤں کی حریف شاید ہی ہو سکیں! جب جھکڑ چلتا اور سیلاب امنڈتا ہے تو وہ دیر و حرم میں تمیز نہیں کیا کرتا۔اسی لئے قرآن نے کہا تھا۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ(8:25)-

اُس فتنہ سے محتاط رہو جو (جب اٹھتا ہے تو) انہی تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کر رکھی

تھی۔(وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے)۔یاد رکھو! خدا کے قانونِ مکافات کا مواخذہ بڑا سخت ہوتا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

(ضربِ کلیم، ص85)

ملوکیت۔سرمایہ داری۔تھیاکریسی۔ملت کے وہ گناہ ہیں۔جو کبھی معاف نہیں ہو سکتے۔یہ گناہ قوموں کو لے ڈوبتے ہیں اور جب قوم ڈوب جائے تو افراد کیسے بچ سکتے ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆


## ایک عظیم قرآنی خزانہ

**قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری**

مفکرِ قرآن مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

**WWW.TOLUISLAM.COM**

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک، فون:35753666 42 92+، ای میل:trust@toluislam.com


## ضرورت برائے رشتہ

بیٹی جس کی عمر تقریباً 37 سال، لیکچرر گورنمنٹ کالج کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔خواہش مند حضرات درج ذیل نمبرز پر رابطہ فرمائیں۔

**Phone: 042-37577412, Mob:0322-4030876**

## ضروری اطلاع

وابستگان تحریک طلوع اسلام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مطالب القرآن فی دروس القرآن کی اگلی سورۃ، سورۃ النساء یکم مئی کے بعد ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک منظور حسین لیل ایڈووکیٹ (دریا خان) بھکر

# جناب پرویز صاحبؒ سے پہلی ملاقات

میں نے جناب پرویز صاحب کو اگست/ستمبر ۱۹۷۹ء میں ایک خط لکھا جس میں میں نے اُن سے بہت سے سوالات کے جوابات مانگے۔ انہوں نے مجھے انفرادی طور پر جواب دینے کی بجائے، نام اور مقام حذف کر کے، اپنے جوابات مسلمانوں کے مفاد اور معلومات کے لئے ماہنامہ ''طلوعِ اسلام'' ماہ اکتوبر ۱۹۷۹ء کے باب المراسلات میں ''میں نماز کیسے پڑھتا ہوں۔ میں نے کوئی جماعت کیوں نہیں بنائی ؟۔'' کے عنوان سے شائع فرما دیئے تھے۔ میں اُن جوابات کے مطالعہ کے بعد اُن سے زیادہ متاثر ہوا اور میرے دل میں اُن سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا، لہٰذا، میں نے مورخہ ۱۲۔ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اُن سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ میرے ساتھ میرے عزیز ڈاکٹر عبدالحمید، جو کہ اُس وقت گورنمنٹ کالج (اب یونیورسٹی) میں ایف ایس سی (پری میڈیکل) کے طاب علم تھے، بھی ملاقات میں شامل تھے۔ اُس ملاقات کو میں نے تھوڑا عرصہ بعد (۱۴۔ جون ۔۱۹۸۰ء کو) سپردِ قلم کر دیا لیکن شائع نہ کرا سکا۔ اب تھوڑی سی فرصت ملی ہے تو اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کی خاطر ادارہ طلوعِ اسلام کو ارسال کر رہا ہوں۔ (ممکن ہے کچھ حقائق ویسے نہ ہوں لیکن) میں نے اُس وقت جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا، ایک یادگار کے طور پر پیش کر رہا ہوں:۔

میں اور عزیزم عبدالحمید انصاری اُن کے کمرے کا بغور جائزہ لے رہے تھے کہ مشرقی دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ ملانے کے لئے ہماری طرف بڑھا۔ درمیانہ قد، درمیانہ جسم، سانولا رنگ، سردی سے بچنے کے لئے سر پر ایک سادہ سی ٹوپی جو کہ بازار میں صوبۂ سرحد (اب خیبر پختون خوا) کے پٹھان بیچتے ہیں۔ خاکی رنگ کی موٹی کم قیمت شلوار قمیض (شاید زین یا جین کی)، اوپر سیاہ رنگ کا ریگزین کا ایک کوٹ، پیروں میں کالے رنگ کی سادہ سی گرگابی بغیر جراب (شاید عصر یا مغرب کی نماز کے لئے وضو کرنے کی وجہ سے جرابیں نہیں پہن رکھی تھیں)، اوپر خاکی رنگ کی ایک نہایت کم قیمت (غالباً سوتی) چادر لپیٹے، چہرے پر تھکان کے آثار مگر سُستی غائب۔

''السّلام علیکم:۔ آپ دریا خان سے آئے ہیں؟۔'' عبدالحمید کے بعد میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اور میری طرف دائیں ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی اور دھیمی آواز میں پوچھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک عظیم مفکر کی صورت میرے سامنے

تھی۔الحمدللہ کہ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوا۔

''جی ہاں! میں دریا خان سے آیا ہوں۔''اوراس کے ساتھ ہی میرا تصور جواُن کے بارے میں تھا، یکسر بدل گیا کیونکہ میں دوسرے لوگوں سے سن سن کر جوتصوراُن کی ظاہری شخصیت کے بارے میں قائم کر چکا تھا، وہ کچھ اور تھا۔وہ تصور دھندلا اور ہر لحہ متغیر تھا۔یہی صورتِ حال' کسی سے بالمشافہ ملنے سے قبل تقریباً ہر شخص کو پیش آتی ہے۔

''آپ کا آج کوئی انٹرویو تھا آرمی میں؟۔''ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''جی ہاں! آرمی ایجوکیشن کور کے لئے Apply کیا تھا میں نے،اور ابتدائی انٹرویو میں کامیاب بھی ہو گیا ہوں،خدا کے فضل سے۔''

''بہت اچھا!۔یہ کور اچھی ہے میرے خیال میں؟۔''انہوں نے پوچھنے کے انداز میں کہا۔

''جی ہاں!۔''میں نے جواب دیا۔

''اس کا آخری مرحلہ جو کہیں کوہاٹ میں ہوتا ہے،وہ ایجوکیشن کور کے لئے بھی لازمی ہے یا نہیں؟۔''

''ہوتا ہے سر! جسے آئی ایس ایس بی کہتے ہیں۔''میں نے جواب دیا۔

''اچھی چیز ہے،خدا آپ کو کامیاب کرے۔''انہوں نے دعا دی۔

ان رسمی اور ابتدائی باتوں کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ جی! میں آپ کا لٹریچر کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں اور کافی متاثر ہوں۔دوسرے احباب اور لوگوں کو بھی اس قرآنی لٹریچر کے بارے میں بتاتا رہتا ہوں۔جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تبلیغ بھی کرتا ہوں۔اور لوگوں کے بوسیدہ نظریات بدلنے کی کوشش بھی کرتا رہتا ہوں۔اپنے شاگردوں کو بھی، جو کہ نئی نسل ہے، قرآن کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی عظیم الہامی کتاب کے مطابق ان کی تربیت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔یہاں میں نے عزیزم عبدالحمید انصاری کے بارے میں بتایا کہ وہ میرا ایک ہونہار شاگرد ہے جس نے 718/850 نمبر حاصل کر کے دریا خان ہائی سکول Top کیا ہے اور اب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی میڈیکل گروپ میں سال اول کا طالب علم ہے۔وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔ عبدالحمید انصاری کو دعا دی اور بڑی حیرانی سے کہا کہ:۔

''718 ! بھئی یہ تو بہت ہی اچھے نمبر ہیں۔اور پھر 850 میں سے!۔''

اس کے بعد وہ اچانک قریب رکھے ٹیلیفون پر چلے گئے اور کسی ڈاکٹر سے کسی مریض کے بارے میں مختصر سا مشورہ کرنے

کے بعد دوبارہ اسی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے، اور بات شروع ہوگئی۔ میں نے انہیں بتایا کہ:۔ ''جی! آپ کا لٹریچر لوگوں میں مقبول ہو رہا ہے لیکن لٹریچر کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت زیادہ زیر بحث رہتی ہے۔ اور چونکہ آپ سے بالمشافہ اور بلاواسطہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی، اور ہمارے پاس آپ کی ذات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہوتیں، نہ ہی کوئی کتاب آپ کی شخصیت کے بارے میں چھپی ہے کہ اسے پڑھ کر لوگوں کو کچھ بتایا جا سکے۔ لہٰذا، آپ کے بارے میں فرضی باتیں کرنا پڑتی ہیں کہ پرویز صاحب دیوبند کے بعد الازہر یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں یا اُن کی تعلیم کئی ایم اے ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ کے بارے میں لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ پرویز صاحب باریش ہیں یا بے ریش؟۔ کیا وہ سرکاری ملازم بھی رہے ہیں؟۔ آپ کی تعلیم زیر بحث رہتی ہے اور پھر اسی لئے میں نے آپ کو خط لکھا جس میں میں نے آپ سے کچھ ذاتی سوالات بھی پوچھے۔ پھر مجھے تسلّی ہوگئی۔ وہ خط جو اکتوبر ۱۹۷۹ء کے طلوعِ اسلام میں چھپا اور اس کا جواب بھی آپ کی طرف سے چھپا۔''

''ہاں! وہ خط بہت اچھا تھا اور اس میں ایسے سوالات اٹھائے گئے تھے جن کا تعلق اسلام اور تحریک طلوعِ اسلام سے تھا۔ لہٰذا، میں نے مناسب سمجھا کہ وہ خط اور اس کا جواب شائع کر دیا جائے۔ آپ نے اچھے سوالات پوچھے تھے۔''

''اس خط کے بعد کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ۔ لہٰذا، میں نے ضروری سمجھا کہ آپ سے بالمشافہ ملاقات کر کے آپ کے بارے میں معلوم کیا جائے، گو مجھے اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ آپ شخصیت پرستی کے سخت مخالف ہیں لیکن پھر بھی کسی کی ظاہری شخصیت اور داخلی شخصیت کافی اہمیت رکھتی ہے۔'' وہ میری ان طویل اور بے ربط باتوں کو بڑی خاموشی اور توجہ سے سنتے رہے۔ اُن کی ابتدائی باتوں سے میرا یہ احساس اور جھجک ختم ہوگئی تھی کہ میں ایک عظیم مفکر کے سامنے بیٹھا ہوں اور مجھے طویل اور بے ربط باتوں میں اُن کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ اُن کے مشفقانہ رویے کا کمال تھا جس نے مجھے اُن کے سامنے بولنے کی جراءت اور ہمت عطا کر دی تھی۔

''جی ہاں! میں نے شخصیت پرستی کو ہمیشہ کوئی اہمیت نہیں دی۔'' وہ یوں گویا ہوئے۔ ''لیکن مولویوں نے میرے بارے میں بہت سی باتیں بنا کر پھیلا دی ہیں، جن کا مجھے علم ہے لیکن پروا نہیں۔ شخصیت پرستی کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اپنے رفقاء سے بھی میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ وہ میرے بارے میں کچھ نہ کہیں، نہ لکھیں بلکہ وہ صرف قرآن پھیلائیں۔ میرے احباب کو ضد تھی کہ میرا کوئی لقب یا خطاب ہونا چاہیئے جس سے وہ مجھے پکاریں۔ پہلے پہلے انہوں نے تجویز کیا کہ مجھے ''چوہدری'' کہا اور لکھا جائے۔ لیکن چوہدری تو کسی گاؤں کے بڑے آدمی کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ ٹھیک نہیں، میں چوہدری وغیرہ نہیں بننا چاہتا۔ پھر انہوں نے تجویز کیا کہ مجھے '' علاّمہ'' کہا جائے لیکن میں نے انہیں بتایا کہ ''علاّمہ'' تو ایک بڑی ڈگری ہے جو

مغربی ممالک میں یونیورسٹیاں بڑے بڑے مفکرین کو دیتی ہیں۔ وہ لوگ ''ڈاکٹر'' کہلاتے ہیں۔ میں اس قابل نہیں۔ دوسرے میرے پاس کوئی ایسی ڈگری بھی نہیں کہ میں ایسا کہلاؤں یا کہلانے کا حق رکھوں۔ میں صرف ''پرویز'' ٹھیک ہوں۔ پھر چونکہ بچیاں مجھے ''بابا جی'' کہتی ہیں تو احباب ورفقاء نے بھی مجھے ''بابا جی'' ہی کہنا شروع کر دیا۔ میں خاموش ہو گیا کہ چلو! کوئی بات نہیں۔''

''سر! آپ کا اصل شہر ہندوستان میں ہے؟۔''

''جی ہاں! بٹالہ۔''

''تو پھر آپ نے تعلیم کس جگہ اور کہاں تک حاصل کی؟۔'' میرا سوال تھا۔

''قرآن وحدیث، فقہ اور دیگر اسلامی علوم تو میں نے گھر ہی میں اپنے دادا سے پڑھے۔ اور میٹرک میں نے بٹالہ سے پاس کیا۔ پھر میں نے ایف اے اور بی اے پرائیویٹ کئے، سروس کے معاملات اور ضروریات کے لئے۔''

''تو آپ کی تعلیم صرف بی اے ہے؟۔''

''جی ہاں!۔''

''اور آپ نے سروس کون سی کی؟۔'' میں نے پوچھا۔

''ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ایک ڈیپارٹمنٹ ہوتا تھا جسے انگریزی میں Interior Division کہتے ہیں اس میں میں۔۔۔۔ (جب وہ یہاں پہنچے تو باہر کسی گاڑی کے ناگوار اور زیادہ شور کے باعث اُن کی دھیمی آواز صاف ہونے کے باوجود ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی، لہٰذا، میں نہ سن پایا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟۔ وہ ہماری طرف دیکھ دیکھ کر اُسی طرح بڑے آرام واطمینان سے وضاحت کرتے رہے۔ لگتا تھا جیسے وہ ایسے شور کے عادی ہیں اور اس کی پروا نہیں کرتے ہیں۔ اور میں اس خیال سے کہ انہیں بار بار سوال کر کے وضاحت پر مجبور اور پریشان نہ کروں، اُن کی طرف دیکھتا اور اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ عبدالحمید کے کہنے کے مطابق انہوں نے بتایا کہ وہ وزارتِ داخلہ ہند میں آفس سپرنٹنڈنٹ رہے۔ میں یہ بھی سوچتا رہا کہ اُن کی رہائش گاہ کچھ پُرسکون مقام پر واقع نہیں۔ گاڑیوں کا شور گاہے بگاہے اُن کی سوچوں اور فکر کے تسلسل میں مخل ہوتا ہوگا۔ جو کہ ایک تکلیف دہ امر ہے۔ اور مجھ جیسے آدمی کے لئے ناقابلِ برداشت۔ لیکن شاید بڑے شہروں میں سکون کی صورتِ حال ہی ایسی ہوتی ہے جس کی پروا بڑے لوگ نہیں کرتے)۔

میں نے کہا:۔ ''دلی میں؟۔''

''جی ہاں! دلی میں۔'' پھر کچھ توقف کے بعد:۔ ''پھر میں نے سروس سے خود ہی ریٹائرمنٹ لے لی کیونکہ کام ایک ہوسکتا

تھا۔سروس یا قرآن کی خدمت۔پھر میں نے مکمل توجہ سے یہ کام شروع کر دیا۔یہ میرا مشن ہے۔''

''سر! آپ علاّمہ اقبالؒ کے شاگرد ہیں؟۔''

''وہ شاگرد تو کسی کو بناتے نہیں تھے۔البتہ اُن کی محفلیں Attend کرتا تھا۔کہیں ۳۴۔۱۹۳۳ء میں۔''

''مودودی صاحب سے بھی آپ کے تعلقات رہے ہوں گے؟۔''

''اُن سے میرے تعلقات رہے مگر پاکستان آ کر تو وہ کچھ اور بن گئے تھے۔''

''پھر تعلقات نہیں رہے؟۔''میں نے سوال کیا۔

''نہیں، بالکل نہیں رہے۔''

''سر! یہ علمِ نجوم کیا ہے؟۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ ستارے تمہاری راہنمائی کرتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟۔کیا یہ ہماری قسمت کے معاملے میں ہماری راہنمائی نہیں کرتے؟۔قرآن تو ایک جامع کتاب ہے، کیا اس آیت کے یہ معانی نہیں لئے جا سکتے؟۔اس سے قسمت کی راہنمائی مراد نہیں لی جا سکتی؟۔''

''وہ راہنمائی اس قسم کی ہے کہ جب لوگ سمندروں یا صحراؤں میں سفر کرتے تھے تو راستہ بھول جانے پر وہ اپنا راستہ ستاروں کے ذریعے معلوم کرتے تھے۔اب بھی ایسا ہوتا ہے۔سمندروں میں تو خیر اب جدید سائنسی آلات، قطب نما وغیرہ لگ گئے ہیں لیکن صحراؤں میں جانے والے لوگ اب بھی ستاروں سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔''

''تو گویا اس راہنمائی سے مراد صرف جغرافیائی راہنمائی ہے۔''میں نے کہا۔

''جی ہاں! صرف جغرافیائی۔کیونکہ انسان صاحبِ اختیار ہے۔صاحبِ اختیار کا معاملہ کچھ یوں ہے کہ انسان خود نہیں بتا سکتا کہ میں کل کیا کروں گا یا کل کیا ہوگا؟۔(یہاں انہوں نے قرآن کی ایک آیت بھی پڑھی جو مجھے اب یاد نہیں ہے)۔جب انسان خود نہیں بتا سکتا' اپنے ارادے کے باوجود، تو پھر کوئی دوسرا کیسے بتا سکتا ہے کہ آپ کے ساتھ یا فلاں کے ساتھ کل یہ کچھ ہونے والا ہے۔''

کچھ توقف کے بعد انہوں نے مزید بتایا کہ:۔''آج کل کے ایک فرانسیسی سائنس دان نے ایک کتاب لکھی ہے (انہوں نے سائنس دان اور کتاب کا نام بھی بتایا مگر مجھے اُن ناموں کی سمجھ نہ آئی)۔جس میں اس نے لکھا ہے کہ سورج جیسی بڑی Body صاحبِ اختیار

نہیں' لہٰذا' ہم میں سے صرف ایک یا چند سائنس دان ایک میز پر بیٹھ کر سورج کے متعلق بتا سکتے ہیں کہ آج سے اتنے سالوں کے بعد فلاں دن' فلاں وقت پر ٹھیک اتنے بج کر اتنے منٹ' حتیٰ کہ اتنے سیکنڈ پر سورج کو گرہن لگے گا۔ مگر ہم ہزار سائنس دان بھی مل کر یہ نہیں بتا سکتے' یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ہماری میز پر جو مکھی جیسی حقیر مگر (سورج کے مقابلے میں زیادہ) صاحبِ اختیار و ارادہ مخلوق بیٹھی ہے، اب اُڑ کر کہاں بیٹھے گی ؟۔ (میری ناک پر یا آپ کی ناک پر؟)۔ یہ ہے صاحبِ اختیار و ارادہ اور غیر صاحبِ اختیار و ارادہ کا معاملہ!۔ انسان صاحبِ اختیار و ارادہ ہے۔''

''جی! اگر آپ کے لٹریچر کا ترجمہ انگریزی میں ہو جائے تو یہ غیر ممالک میں بہت مقبول ہوگا۔''

''جی ہاں!۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن میں یہ کام اکیلا کر رہا ہوں۔ میں اکیلا سارے کام نہیں کر سکتا۔ کوئی اور میرے ساتھ نہیں۔ یہ کام اب کسی اور کو کرنا چاہیئے۔ مگر اس کے لئے خود کو وقف کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو کوئی ایسا آدمی کرے جو خود کو وقف کر دے۔ لیکن ہمارے ہاں روٹی کا مسئلہ کچھ ایسا ہے جو ایسا کرنے میں مانع ہے۔ کوئی شخص ایسے کام کو کیسے وقت دے جس میں مالی مفاد نہ ہو؟۔ روٹی کا مسئلہ ایسا کرنے نہیں دیتا۔ یہ کام پاکستان سے نہیں، باہر سے ہونے کی امید ہے۔ علاوہ ازیں، میں نے جو قرآنک ریسرچ سنٹر کی سکیم بنائی ہے، وہاں یہ کام ہوگا۔ کیونکہ کالج میں داخلہ لینے والے طلباء وہاں کم از کم دو سال رہیں گے۔ اُن سے یہ کام لیا جا سکے گا۔ انہیں تیار کر کے اُن سے یہ کام لیا جانا آسان ہے۔ اب تو کوئی آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔ طلباء تو تعلیم کے سلسلے کی وجہ سے کوئی دوسرا کام نہیں کریں گے جبکہ دوسرے لوگوں کو روٹی کا مسئلہ اِدھر متوجہ نہیں ہونے دے گا۔'' اُن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور فرمایا:۔ ''یہی میرا قرآنک ریسرچ سنٹر ہے، یہی میرا گھر، یہی میری بیٹھک، یہی ملاقاتیوں کا کمرہ اور یہی میرے لکھنے پڑھنے کا کمرہ۔ وسائل ہی اتنے ہیں۔ امیر لوگ کب ہمارا ساتھ دیتے ہیں؟۔ اور مولویوں نے ویسے میرے خلاف بہت شور مچا رکھا ہے۔''

''جی! یہ مولوی بھی عجیب لوگ ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اب تو ان کے خلاف کافی نفرت بڑھ رہی ہے۔ پچھلے دنوں میں اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ مولویوں نے مذہب کو جان بوجھ کر الجھا رکھا ہے۔ تاکہ یہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ اور اسے سمجھنے کے لئے لامحالہ مولوی صاحب کی ضرورت پڑے۔ اور لوگوں کو اُسی کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ مولوی خود کو مذہب کا اجارہ دار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے علاوہ دوسری بہت سی کتب کا سہارا لے رکھا ہے تاکہ سیدھی راہ کسی کو نظر نہ آ سکے۔ انہوں نے مذہب کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔۔ اسی لئے نئی نسل مذہب سے برگشتہ ہو رہی ہے۔ جب کوئی مسئلہ سامنے آئے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کا حل یہ ہے اور یہ حل فلاں کتاب کی رو سے ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ قرآن تو ہر گھر میں موجود ہے اور مولوی صاحب کی بات کو قرآن میں ہر شخص ڈھونڈ سکتا

ہے۔اور نہ ملنے کی صورت میں مولوی صاحب کا گریبان پکڑ سکتا ہے۔لیکن مولوی صاحب قرآن کی بجائے حدیث کی کسی کتاب یا فقہ وغیرہ کا نام لے گا۔اب نہ تو ہر گھر میں صحاح ستہ موجود' نہ فقہ' نہ تاریخ' نہ فتاویٰ عالمگیری۔اب کون مولوی صاحب کی بات کی تصدیق کی زحمت کرے۔نہ کسی میں یہ مالی ہمت واستطاعت' نہ علمی وعملی ہمت کہ کوئی قرآن کے علاوہ باقی تمام کتب بھی خرید کر گھر میں رکھے اور انہیں پڑھے' اس مصروفیت کے دور میں!۔لہٰذا' لامحالہ دینی معاملات کے لئے مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔مولوی صاحب یہاں اپنی من مانی کرتے ہیں۔کیونکہ وہ ہماری کمزوری جانتے ہیں۔اُن کا طریقِ کار یعنی تیکنیک (Technique) کامیاب ہو جاتی ہے۔قرآن کی ہر گھر میں موجودگی اور پھر صرف تیس پاروں میں اختصار و جامعیت مولوی صاحب کے وجود کے لئے خطرہ ہے۔لہٰذا، اس نے دوسری کتب میں لوگوں کو الجھا کر قرآن کو چھپا لیا ہے۔اب سیدھی راہ نظر نہیں آتی۔نئی نسل اسی لئے مذہب اور مولوی سے برگشتہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کے نصاب میں قرآن کے علاوہ اس قدر کتب موجود ہیں کہ قرآن ان میں نظر ہی نہیں آتا"۔پرویز صاحب میری ان بے ربط باتوں کو غور سے سنتے رہے۔پھر میں نے پوچھا کہ:۔

"آپ کا پریس ہے؟"۔

"جی نہیں!۔پریس نہیں ہے۔اور بڑی تکلیف رہتی ہے۔ہماری ایک ایک کتاب بعض اوقات دس دس سال تک دوبارہ نہیں چھپ سکتی"۔

"اب تو آپ کالج قائم کر رہے ہیں۔پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس کے پاس۔خدا کرے وہ کامیاب ہو جائے"۔

"جی ہاں! ریسرچ سنٹر بھی وہیں چلا جائے گا"۔

"اب تو سر! آپ کا لٹریچر بہت لوگ پڑھ رہے ہیں۔یہاں بھی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے؟"۔

"جی ہاں! اب کافی لوگ ہیں۔پہلے تو جھینپتے تھے۔اب نام سن لیتے ہیں۔دوسرے، اگر یہ حق ہے تو ضرور پھیلے گا۔حق کو میری یا آپ کی مدد کی ضرورت نہیں (یہاں انہوں نے اس معاملے میں قرآن کی ایک آیت بھی پڑھی)۔حق تو اپنے زورِ دروں (Momentum) پر آگے بڑھتا ہے۔البتہ ہمارا عملِ صالح اس کی رفتار کو تیز کر دیتا ہے۔ویسے اسے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں۔حق خود بخود پھیلتا چلا جائے گا"۔

"نہیں جی!۔اب ماشاءاللہ، دور دور تک قرآن کی روشنی پہنچ گئی ہے۔اب لوگ آپ کا لٹریچر پڑھتے ہیں۔جو لوگ سنجیدہ اور

پڑھے لکھے ہیں۔ میرا ایک دوست ہے۔ خاصا تعلیم یافتہ۔ ایم ایس سی ریاضی میں ہے۔ میں جب بھی آپ کا نام اس کے سامنے لیتا تھا، وہ کہتا تھا کہ وہی پرویز جو حدیث کا منکر ہے۔ اُس کا نام میرے سامنے لیتے ہو (حالانکہ ایک دلچسپ حقیقت یہ تھی کہ وہ خود ایک دہریہ قسم کا شخص تھا)۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ یار! یہ بتاؤ کہ تم نے پرویز صاحب کا لٹریچر پڑھا بھی ہے؟۔ وہ کہنے لگا کہ:۔ ''نہیں!'' میں نے کہا کہ پھر پرویز کی مخالفت کس منہ سے کرتے ہو؟۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ اب آپ کا لٹریچر کبھی کبھی پڑھ لیتا ہے۔ اور کم از کم آپ کی مخالفت نہیں کرتا۔ اور کمیونسٹ ہونے کے باوجود کہتا ہے کہ:۔ ''ہاں! پرویز مفکر معلوم ہوتا ہے۔''

''ہاں بھئی! ہم منکرِ حدیث ہیں۔ لیکن ذرا یہ بھی تو پوچھو کہ کون سی اور کس قسم کی حدیث کے منکر ہیں؟۔ ہم ایسی حدیثوں کو بالکل نہیں مانتے اور واضح انکار کرتے ہیں جو قرآن سے متصادم ہوں یا جن میں سے حضور پاک ﷺ یا اُن (ﷺ) کے ساتھیوں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ ہم ایسی احادیث سے صریح انکار کرتے ہیں۔ اور اگر ہمیں کوئی منکرِ حدیث کہہ دے تو ہم جھینپتے نہیں۔ ہم تو علی الاعلان ایسی احادیث کے منکر ہیں۔''

پھر میں نے بتایا کہ:۔ ''اب نئی نسل آپ کے لٹریچر سے کافی متاثر ہے۔ میں نے عبدالحمید انصاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ میرا عزیز شاگرد ہے۔ میرے پاس پانچویں جماعت پڑھا۔ جب یہ گورنمنٹ کالج لاہور پہنچا تو اس نے کہیں آپ کی کتاب ''ذرے'' دیکھی۔ کسی لائبریری میں صرف نام لکھا ہوا تھا۔ جو شاید ایٹم بم کے بارے میں تھی مگر وہ اسے مل نہ سکی۔ (یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اب پرویز صاحب کو یاد نہ ہو کہ انہوں نے کبھی ایسی کوئی کتاب یا مقالہ لکھا ہو۔ نہ ہی مجھے اُن کی کسی ایسی تحریر کے بارے میں علم تھا۔ یہ صرف حمید انصاری کی معلومات میں تھی)۔ عزیزم عبدالحمید نے آپ کی دوسری کتاب ''اسلامی نظام کیسے نافذ ہو سکتا ہے؟'' لائبریری سے نکلوا کر پڑھی اور بہت متاثر ہوا۔ جب میں نے آپ سے ملاقات کا پروگرام بنایا تو اس نے بھی میرے ساتھ آنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور میرے ساتھ آپ تک پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تحریر نوجوانوں کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔''

''جی ہاں! میرا مخاطب تعلیم یافتہ نوجوانوں کا طبقہ ہے۔'' انہوں نے کہا۔

اس پر حمید انصاری نے بتایا کہ:۔ ''سر! اُس کتاب ''اسلامی نظام کیسے نافذ ہو سکتا ہے؟'' پر کسی قاری نے بہت سے نوٹ چڑھا رکھے تھے اور پہلے صفحہ پر لکھا تھا۔ ''یہ کتاب کسی دہریئے نے لکھی ہے۔'' لیکن جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو میں حیران رہ گیا کہ کیا دہریہ اسے کہتے ہیں جس نے یہ کتاب لکھی ہے؟۔ کمال کی بات ہے!۔''

''جی ہاں! ہم ان کے خدا کو نہیں مانتے۔ اُن کے خدا کے ہم دہریئے ہیں۔ جو اُن کے تصور کا خدا ہے، ہم اسے نہیں

مانتے۔اسی لئے اُس نے دہریہ لکھا ہوگا کہ جو خدا اُن کے ذہنوں میں موجود ہے، ہم اس کے منکر ہیں۔''

یہاں مجھے یہ بات یاد آ گئی کہ دہریئے اکثر کہتے ہیں کہ اسلام میں وہ سپرٹ (قوت) ہی نہیں کہ وہ پھیلے یا اپنے پیروکاروں میں وہ قوت پیدا کر دے کہ وہ دنیا پر چھا جائیں۔یا انسانیت کے لئے کوئی اچھا نمونہ پیش کر سکیں۔اسلام تیس سالوں کے اندر اندر ناکام ہو گیا تھا اور آگے نہ پھیل سکا۔کیونکہ اُس میں پھیلنے کی قوت ہی نہیں تھی۔میں نے یہی گزارش پرویز صاحب کی خدمت میں پیش کر دی تو وہ کہنے لگے کہ:۔

''اُن سے پوچھئے کہ دہریت کتنی پھیلی ہے؟۔خدا اور مذہب تو کسی نہ کسی صورت میں ذہنوں میں موجود ہیں۔مگر آج تک کتنے لوگوں نے دہریت کو اپنایا ہے؟۔''

''جی سر! واقعی خدا ذہن کے کسی نہ کسی کونے میں ضرور موجود رہتا ہے۔''میں نے کہا۔

وہ کہنے لگے:۔''غالباً صحیح معنوں میں دہریہ شاید ہی کوئی آپ کو ملے!۔''

میں نے کہا کہ:۔''پاکستان میں تو اسلامی نظام کے نفاذ کے امکانات نظر نہیں آتے۔آپ کا کیا خیال ہے اسلام کس ملک میں آئے گا۔میرا خیال ہے کہ روس میں اسلام کے نفاذ کا امکان نظر آتا ہے کیونکہ روس کا معاشی نظام، اقبالؒ کے مطابق، اسلام کے معاشی نظام سے مماثلت رکھتا ہے۔''

وہ کہنے لگے:۔''ہاں! واقعی پاکستان میں تو اسلام کے نفاذ کے امکانات معدوم ہیں۔کیونکہ جہاں مذہب اور مذہبی پیشوائیت کی طاقت موجود ہوگی وہاں دین کو قبول اور نافذ نہیں کیا جا سکتا۔مذہب اور دین میں فرق ہے۔میں نے اس فرق پر بہت وضاحت سے بار بار لکھا ہے۔روس میں اسلام کی قبولیت اور نفاذ کا امکان نہیں کیونکہ روس کا مکمل نظام کمیونزم ہے اور کمیونزم بھی ایک مذہب ہے جو اسلام کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔اگر کمیونزم یا سوشلزم کا کوئی حصہ کسی حد تک اسلام سے مماثلت رکھتا ہے تو یہ محض اتفاق ہے یا اسلام ہی سے ماخوذ ہے، اسے اسلام نہیں کہا جا سکتا۔میری نظر میں اگر اسلام آئے گا تو اس کا امکان انگلینڈ میں ہے کیونکہ وہاں مذہب یا مذہبی پیشواؤں کی وہ طاقت موجود نہیں جو دیگر مقامات پر ہے۔انگلستان کے لوگ علمی لحاظ سے بلند اور آزاد سوچ کے مالک ہیں۔وہ کسی خاص سوچ کے پابند نہیں۔ایسے لوگ حق کو قبول اور نافذ کر سکتے ہیں۔انگلستان کے مفکرین اسلام جیسے نظام کے متلاشی نظر آتے ہیں مگر اُن کے سامنے قرآن صحیح طرح آیا نہیں اور ہم مسلمانوں نے قرآن صحیح طرح پیش نہیں کیا۔میں اُن کے نظریات بڑی تفصیل سے کئی بار پیش کر چکا ہوں۔''

''سر! لوگ نظریہء پاکستان کی بہت مخالفت کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ آپ اس بارے میں کچھ لکھیں۔ بڑا دکھ ہوتا ہے جب سکولوں کے اساتذہ جو معصوم ذہنوں کو آسانی سے متاثر کر سکتے ہیں، اس نظریئے کی دھجیاں بکھیرتے ہیں تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔''

''اُن سے پوچھئے کہ نظریہء پاکستان ہے کیا؟۔ وہ کس نظریہء پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں؟۔ دراصل انہیں معلوم ہی نہیں کہ نظریہء پاکستان ہے کیا؟۔ آپ اُن سے نظریہء پاکستان کی تعریف پوچھئے۔ وہ نہیں بتا سکیں گے۔ کبھی کچھ کہیں گے، کبھی کچھ۔ اُن سے پوچھئے کہ وہ کس بات کی مخالفت کرتے ہیں؟۔ اس بارے میں میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ بس چھوڑیں اسے۔ اور بھی بہت کچھ کرنا ہے۔''

''آج کل آپ کیا لکھ رہے ہیں؟۔'' میں نے سوال کیا۔ (مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ غالباً انہوں نے ''مطالب الفرقان'' کی تیسری جلد کی بات کی)۔ ''مطالب الفرقان'' کی تیسری جلد اب ختم ہوئی ہے۔ اب تصوف پر لکھ رہا ہوں۔''

''اب حمید نے سوال کیا کہ:۔ ''سر! یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ نماز پڑھو۔۔۔''

''نہیں! قرآن میں تو کہیں بھی نہیں آیا کہ نماز پڑھو۔ وہاں تو۔۔۔'' وہ بولے۔

حمید نے کہا:۔ ''جی! نماز قائم کرو۔''

''ہاں بیٹے! نماز قائم کرو، آیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ نماز قائم کرو۔''

میں نے حمید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ:۔ ''اور نماز کا قائم کرنا ایک پورا نظام ہے۔ قیامِ صلواۃ۔۔۔''

حمید نے سوال جاری رکھتے ہوئے پوچھا کہ:۔ ''قرآن میں آیا ہے کہ نماز قائم کرو اور مولوی صاحبان ہم سے کہتے ہیں کہ جی! اتنی رکعتیں ادا کرو، اتنی سنت، اتنی نوافل وغیرہ تو وہ تو ہمیں عشاء کی نماز میں تھکا دیتے ہیں۔ کیا نماز اسی طرح ادا کرنا چاہیئے؟۔''

''دیکھیں! قرآن میں آیا ہے کہ نماز قائم کرو۔ بس جس طرح امت نماز ادا کر رہی ہے، وہی ٹھیک ہے۔ اس میں ردوبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔ سوائے صحیح اسلامی مملکت کے۔ میں اس معاملے میں کوئی اختراع نہیں کرنا چاہتا۔ اس طرح امت میں پھوٹ کا اندیشہ ہے۔ پہلے ہی امت میں تفرقہ بازی کیا کم ہے کہ میں بھی ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے انتشارِ امت کا سبب بنوں؟۔''

یہاں میں نے حمید سے کہا کہ میں تمہیں اس بارے میں سمجھاؤں گا اور وہ رسالہ دوں گا جس میں جناب پرویز صاحب نے میرے خط کا جواب دیا ہے۔ وہاں نماز کی ادائیگی کی وضاحت ہو جائے گی۔

اس پر میں نے اجازت چاہی کیونکہ خلافِ توقع اور پرویز صاحب کے حسنِ سلوک، خندہ پیشانی اور مشفقانہ رویے کے سبب ہم نے اُن کا کافی وقت لے لیا تھا۔ اس دوران میں کہیں بھی اُن کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار نہ ہوئے کہ یہ لوگ خواہ مخواہ کی باتوں میں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جب ہم اٹھنے لگے تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دعا دی کہ:۔ ''آپ کے قرآنی ذوق سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ کا قرآنی ذوق اچھا ہے۔ اللہ اس میں اضافہ کرے۔'' اور حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ:۔ ''برخوردار! آپ تو لاہور میں رہتے ہیں۔ آپ تو درسِ قرآن میں شرکت کیا کریں۔ جمعہ شریف کو ساڑھے نو بجے صبح۔ اس درس میں آپ کو قلیل وقت میں بہت سی کتب کا موادمل جائے گا۔ جو کچھ بہت سی کتب میں ملے گا، وہ صرف ایک درس میں مل جائے گا۔ بلکہ اس سے بھی شاید زیادہ۔''

''جی! درس کس مسجد میں ہوتا ہے؟۔'' حمید نے پوچھا۔ تو پرویز صاحب زیرلب مسکرائے اور کہا کہ:۔

''تم تو بھولے ہو عزیزم!۔ کیا مسجدوں میں قرآن پڑھایا جاتا ہے؟۔'' اس پر ہم سب ہنس پڑے۔ انہوں نے بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ:۔

''وہاں (مسجدوں میں) تو اور باتیں ہوتی ہیں۔''

میں نے کہا کہ:۔ ''وہاں آپ کو تو جانے بھی نہیں دیتے ہوں گے؟۔'' وہ مسکرا پڑے۔ کہنے لگے آپ نے تو میرا اچھا خاصا انٹرویو لے لیا ہے۔ ہم نے مصافحہ کیا۔ وہ لکھنے کی اپنی میز کی جانب چل پڑے اور ہم گہرے تاثرات کے ساتھ باہر آ گئے۔

(محررہ:۔ ۱۴۔ جون۔ ۱۹۸۰ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## سانحہ ارتحال

دیونہ منڈی کے قدیمی عاشق فکرِ قرآنی محترم گلزار بٹ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

# ایک بہت بڑے مولوی صاحب کا ایک چینل پر انٹرویو

چند روز پیشتر ایک مشہور ٹی وی چینل نے ایک بہت بڑے مولوی صاحب کو انٹرویو کیا جو ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ چند موضوعات زیرِ بحث آئے، کافی بحث وتمحیص رہی۔ چینل کے اینکر کی یہ کوشش تھی کہ وہ حضرت اقدس سے مسلمان قوم کے زوال کا سبب دریافت کرلیں اور یہ بھی معلوم کرلیں کہ آخر مسلمان ایک ملت کیوں نہیں بنتے اس قبیل کے اینکر کی کافی کوشش اور لمبی بحث کے بعد حضرت اقدس نے اصل سوال کا جواب یہ عنایت فرمایا کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق منقطع کرلیا ہے اور جس دن مسلمانوں نے تعلق باللہ کو قائم کرلیا، وہ اس دن سے اس دنیا میں بالاتری وعروج حاصل کرنا شروع کردیں گے، اور اسی طرح وہ ایک امت بھی بن جائیں گے۔

ہمارے ٹی وی چینلز کے یہ اینکر حضرات نہایت تعلیم یافتہ، تجربہ کار اور بالغ نظر ہوتے ہیں۔ ہمیں حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ یہ حضرات، اپنے اس علمی مقام کے باوجود، اتنی چھوٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ مذہب کا کام دنیا کے مسائل حل کرنا نہیں ہوتا، مذہب اس بات کا دعویٰ ہی نہیں کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے مسائل حل کرتا ہے۔ مذہب کا کام تو صرف پرستش کرنا اور اگلی دنیا کی تیاری اور اس کو بہتر بنانا ہوتا ہے۔ ہمارے علمائے کرام مذہب کے داعی ہیں، جب مذہب مسائلِ حیات کو حل کرنے کا دعویٰ ہی نہیں کرتا، تو ہمارے یہ علماء کرام دنیا کے مسائل کس طرح حل کرسکتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں علماء کرام کا عزت واحترام حد درجہ ہے۔ اس حقیقت کو بیان کرنے سے خدانخواستہ ان حضرات کی تنقیص مقصود نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا واحد سبب موجودہ مذہب اور خود یہ علماء کرام ہی ہیں۔ جس دن مسلمانوں نے یہ بات سمجھ لی اور موجودہ مذہب کو ترک کرکے، قرآن کریم کا عطا کردہ دین اختیار کرلیا، اسی دن سے مسلمان دنیا میں سرخروئی وبالاتری حاصل کرنی شروع کردیں گے۔ زندگی کے مسائل حل کرنا، مذہب کا کام نہیں، یہ دین کا کام ہے۔ مذہب کے نتائج اس دنیا میں سامنے آتے ہی نہیں، اس کے نتائج مرنے کے بعد سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی

مذہب بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ حق ہے اور باقی مذاہب باطل ہیں' کیونکہ ان کے نتائج سامنے آتے ہی نہیں' اس کے برخلاف دین کی یہ للکار اور اس کا یہ چیلنج ہوتا ہے:

وَيَا قَوْمِ اعْمَلُواْ عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيْهِ عَذَابٌ يُخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ (11:93)-

اے میری قوم تم اپنی جگہ جو چاہو کرو میں بھی بجائے خود کچھ کرتا ہوں' عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ جو اس کو رسوا کردے گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا ہے۔

دوسری جگہ سورۂ زمر میں ارشاد عالی ہوتا ہے:

يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ Oمَن يَأْتِيْهِ عَذَابٌ يُخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (39:39-40)-

اے میری قوم تم اپنی جگہ جو چاہو عمل کئے جاؤ میں بھی اپنی جگہ عمل کرتا ہوں۔ پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر وہ آفت آتی ہے جو اس کو (دنیا میں) رسوا کردے گی اور اس پر دائمی عذاب بھی نازل ہوگا۔

یہ دین ہوتا ہے' اس کے نتائج اس دنیا میں سامنے آتے ہیں۔ یہ نتائج کسی سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔ سب پر عیاں ہوتے ہیں اور ان نتائج کی بنا پر ہی ہر شخص یہ معلوم کرسکتا ہے کہ کون سا دین حق ہے اور کون سا دین باطل ہے۔

مذہب کا دارومدار روحانیت پر اور روحانیت کا دارومدار پرستش پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے روحانیت کا کوئی تصور نہیں دیا۔ قرآن کریم میں روحِ خداوندی کا ذکر تو ہے' لیکن انسانی روح کا کہیں تذکرہ نہیں ہے' نہ ہی قرآن میں کہیں تزکیہ روح کا کوئی ذکر ملتا ہے قرآن کریم نے ''نفس'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہمارے ہاں جو حضرات روحانی ترقی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس دنیا سے قطعاً بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ جس قدر آدمی روحانیت کے گرداب میں پھنستا جاتا ہے' اسی قدر وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور وہ قوم دنیا میں روبہ زوال ہوتی جاتی ہے' لیکن قرآن کریم اس چیز کو نفس انسانی قرار دیتا ہے اور اس کو نشوونما دینا انسانی زندگی کا مقصد قرار دیتا ہے۔ نفس انسانی کی نشوونما کے جو طریقے قرآن بتاتا ہے' ان سے اس دنیا میں ایک بہترین معاشرہ قائم ہوتا ہے' اس نفس انسانی کی نشوونما وحی خداوندی پر عمل کرنے سے ہوتی ہے' جو صرف ایک معاشرہ میں ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم مستقل اقدار عطا کرتا ہے' ان مستقل

اقدار پر جو معاشرہ قائم ہوتا ہے' نفس انسانی اس معاشرہ میں ازخود ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ مذہب کے برخلاف دین کا اتباع کرنے سے دنیا کے مقاصد ازخود حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں' اس کی مثال آپ اس طرح سمجھیں کہ دوقومی نظریہ دین کا عطا کردہ عقیدہ ہے۔ اس کا اتباع کرنے سے ہمیں پاکستان حاصل ہوا ہے۔ اگر دین کا یہ نظریہ نہ ہوتا' اور قومیت مشترکہ ہوتی اور اس کی اساس وطن ہوتی تو پاکستان حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ قرآن کریم میں حکم ہوتا ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ (8:60)-

اے مسلمانوں ان کفار کے مقابلہ کے لئے جہاں تک بھی تم سے ہوسکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑے سے لڑائی کا سامان مہیا کرو۔ اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن پر بھی رعب جمالو گے۔

اس قرآنی حکم کا جب اتباع کیا جائے گا تو یقیناً دنیاوی مقاصد حاصل ہوں گے اور مسلمانوں کو دوسری اقوام پر برتری حاصل ہوگی۔ قرآن کریم نے بار بار تعلیم حاصل کرنے پر اصرار کیا ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (39:9)-

بھلا کس طرح جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اتباع دین کی وجہ سے مسلمان علم حاصل کریں گے' تو اس سے دنیاوی مقاصد بھی حاصل ہوں گے۔ قرآن نے ذات پات کی تمیز کو بالکل ختم کر دیا (49:13) اس حکم کے اتباع کے نتیجہ میں معاشرہ پر بہت ہی عمدہ اثرات مرتب ہوں گے۔ قرآن نے ساری انسانیت کو ایک امتِ واحدۃ قرار دیا ہے۔ اس حکم کی اطاعت سے موجودہ دور کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مذہب کے مقاصد روحانیت اور پرستش میں بلند مقام حاصل کرنا ہوتا ہے' جس سے ان کے خیال کے مطابق آخرت تو سنور جاتی ہے' لیکن دنیا میں یقیناً زوال پذیر ہونا پڑتا ہے۔

ان مثالوں سے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اتباع دین کا فطری نتیجہ دنیاوی مقاصد حاصل ہونا ہے اور دین کے اتباع سے غلبہ حاصل ہوتا ہے (24:55) اس قسم کی بے شمار مثالیں قرآن کریم سے پیش کی جاسکتی ہیں' لیکن ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے یہ ہی کافی ہیں۔ اس کے برخلاف روحانیت پر عمل کرنے سے اس دنیا میں کچھ ہاتھ نہیں آتا' اور قوم روبہ زوال ہوتی جاتی ہے۔ ہمارے

یہی علماء کرام روحانیت اور اس کے منطقی نتیجے میں زوال قوم کے داعی ہیں' ان کو کسی چینل پر بلا کر' قوم کے زوال کا سبب معلوم کرنا' ان کے نظریات کی ان سے ہی تردید کرانے کے مرادف ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔

بہت قیل وقال کے بعد حضرت اقدس نے قوم کے زوال کا سبب تعلق باللہ قائم نہ رکھنا فرمایا ہے اور یہ بات فرمائی کہ اللہ سے تعلق توڑنے کی وجہ سے مسلمان زوال پذیر ہوئے' کوئی واضح بات نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے مسلمانوں کے زوال کی جو نشاندہی فرمائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے اللہ سے تعلق توڑ لیا ہے' اس لئے مسلمان زوال پذیر ہوئے ہیں۔ اس نشاندہی میں حضرت موصوف تنہا نہیں ہیں۔ ہمارے علماء کرام مجموعی طور پر مسلمانوں کے زوال کا یہی سبب بیان کرتے ہیں لیکن ہمارے علماء کرام اللہ سے تعلق توڑنے کی وضاحت نہیں فرماتے کہ ان کی مراد اللہ سے تعلق توڑنے سے کیا ہے؟ لیکن ان حضرات کے بیانات کے بین السطور یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے نماز پڑھنی کم کر دی ہے' زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی ہے' روزے بھی بہت لوگ قضا کرنے لگے ہیں' اس لئے مسلمانوں کو اس زوال سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ چین کا انقلاب پاکستان کے وجود میں آنے سے دو سال بعد مکمل ہوا ہے اور چین کا ملک موجودہ صورت میں 1949ء میں وجود میں آیا ہے۔ چینیوں کا کوئی تعلق اللہ اور اس کے رسول سے نہیں ہے لیکن ہمارے مقابلے میں انہوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ اس وقت وہ دنیا کے عظیم ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی آئی ہے تو لارڈ کلائیو (Lord Clive) کے پاس صرف دو سو انگریز سپاہی تھے۔ باقی سپاہی Sepoy اس نے ہندوستان سے بھرتی کئے تھے۔ لیکن وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو آہستہ آہستہ مصلحت کے ساتھ زیر نگین کرتا چلا گیا۔ کلائیو کے یہ سپاہی عموماً بدچلن تھے ان کا اللہ اور رسول سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ ترقی کرتا چلا گیا۔ مہدی سوڈانی سے جب لارڈ گورڈن کا مقابلہ ہوا تو مہدی سوڈانی کے دس ہزار درویش کام آئے جبکہ لارڈ گورڈن کے صرف 40 آدمی مارے گئے تھے۔ مہدی سوڈانی کے درویشوں کے پاس تلواریں تھیں جبکہ لارڈ گورڈن (Lord Gordon) کے سپاہیوں کے پاس بندوقیں تھیں' قرآن کریم کے جس حکم کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے کہ اپنی استطاعت کے ساتھ قوت مہیا کیا کرو (8:60) گورڈن نے اس پر عمل کیا تھا' اس لئے وہ کامیاب ہو گیا۔

جہاں تک تعلق باللہ کا سوال ہے ہمارے علماء کرام کا خیال ہے کہ انفرادی پرستش سے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے' لیکن یہ ایک ایسا تعلق ہے کہ وہ کسی گونہ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی اس کے نتائج اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نماز سے تعلق باللہ قائم ہو سکتا ہے۔ جو ایک انفرادی' ذاتی طور پر محسوس ہونے والی چیز ہے تو یہ تعلق دوسرے مذاہب میں بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہر مذہب والے اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کی عبادت کے طریقے سے اللہ سے تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے' آپ دوسرے مذاہب کو زیر بحث نہ ہی لائیں'

مسلمانوں کے اندر ہی رہیں۔ ہم مسلمانوں میں جو حضرات بریلوی کہلاتے ہیں' انہیں داتا صاحب کے مزار پر حاضری دینے سے ایک عجیب طرح کا کیف وسرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور ان کا تعلق باللہ قائم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دیوبندی یا اہل حدیث حضرات کے نزدیک داتا صاحب کی قبر مبارک کی وہ اہمیت نہیں ہے' اس تعلق باللہ کا سارا دارومدار صرف احساسات پر ہوتا ہے اور جب دعویٰ کا ثبوت ہر شخص کا اپنا انفرادی احساس (Experience) ٹھہرا تو پھر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے تعلق باللہ حاصل ہو گیا ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے تعلق صرف انبیاء کرامؑ کے ذریعہ قائم تھا۔ نبوت وہ ایک واحد ذریعہ تھی جس سے اللہ تعالیٰ اور انسان کا تعلق قائم ہوتا تھا' آپ حد درجہ غور فرمائیں' بار بار مزید غور فرمائیں' اس تعلق کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ہو ہی نہیں سکتا۔ نبوت ختم ہو گئی' ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کا انسانیت سے تعلق صرف وحی الٰہی کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے۔ وحی کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور انسانیت کے مابین کوئی اور ذریعہ تعلق قائم کرنے کا نہیں ہو سکتا' اب جس شخص کو بھی تعلق باللہ قائم کرنا درکار ہو اس کو وحی الٰہی پر عمل کرنا ہو گا' جس قدر بھی وحی الٰہی کی اطاعت کی جائے گی' اسی قدر اور اسی نسبت سے تعلق باللہ میں اضافہ ہو گا۔

وحی الٰہی پر عمل کرنے اور اس سے وابستہ رہنے کی ایک صورت تو غیر اسلامی مملکتوں میں ہوتی ہے جیسی آج کل تمام ممالک میں ہے اور اسی طرح ہمارے ملک پاکستان میں ہے کہ ہم سارے دن میں پانچ وقت تھوڑے سے وقت کے لئے مساجد میں نماز پڑھ کر تعلق باللہ قائم کرتے ہیں۔ مساجد کی حدود کے اندر پرستش خداوندی ہوتی ہے اور مساجد کے باہر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت ہوتی ہے یا کچھ وقت تلاوت یا ذکر واذکار میں صرف کر دیا۔ مذہب میں اس سے زیادہ تعلق باللہ نہیں ہو سکتا۔ اس تعلق باللہ کے ساتھ ساتھ ہماری ساری معیشت سودی ہے۔ ہم سود بھی کھا رہے ہیں جو اللہ و رسول کے خلاف جنگ کرنے کے مرادف ہے (2:279) غیر اسلامی حکومت کی اطاعت کرنا قرآن کی رو سے جرم عظیم ہے (6:123, 6:133, 4:60) ہم اس وقتی تعلق باللہ کے ساتھ ساتھ اس جرم عظیم کے بھی مرتکب ہو رہے ہیں لیکن اگر ہم وقتی طور پر' ہمہ جہتی طریقہ سے تعلق باللہ قائم کرنا چاہتے ہیں' تو اس کے لئے آپ پر فرض ہے کہ آپ وحی الٰہی کے مطابق نظام قائم کریں' اس کے ماتحت زندگی بسر کریں' غیر خداوندی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے سے اجتناب کریں اور ہر قیمت پر دین قائم کریں' واضح رہے کہ وحی الٰہی کی اطاعت انفرادی طور پر ہو ہی نہیں سکتی۔ وحی الٰہی کی اطاعت کے لئے ہر جگہ جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور یہ بغیر نظام کے ادا بھی نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي

شَیۡءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِاللّهِ (4:59)-

اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبانِ حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم آپس میں کسی بات میں جھگڑا کرو بس اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس امر کو خدا اور رسول کی طرف پھیر دو۔

اس آیت کے مطابق' اللہ کی اطاعت بغیر رسول کی اطاعت کے نہیں ہو سکتی اور رسول کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کی جائے۔ اولوالامر کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ و رسول کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دور مبارک میں اولوالامر اور مقامی حکام مقرر فرما دیئے تھے اور ان مقامی حکام اور اولوالامر کی اطاعت حضور ﷺ کی اطاعت ہوتی تھی۔ اس طرح حضور ﷺ کی اطاعت ذاتی (Personal) نہیں رہتی تھی بلکہ نظام کی اطاعت سے حضور ﷺ کی اطاعت ہو جاتی تھی۔ اگر کسی جگہ نظام قائم نہیں ہے' جیسا کہ اب موجودہ دور میں کہیں بھی اسلامی نظام قائم نہیں ہے' تو کسی جگہ بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب نظام کی اطاعت کو نظر انداز کرنا ہے۔ آپ اگر قرآن کریم کا عطا کردہ نظام قائم کریں گے' تو اس کی اطاعت سے اللہ و رسول کی اطاعت بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو اس نے نظام کی اطاعت سے وابستہ کئے ہیں وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ ان وعدوں میں رزق کی فراوانی اور مسلمانوں کا دیگر اقوام پر غالب ہو کر تمام انسانیت کی نگرانی کرنا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلۡنَاكُمۡ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواۡ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيداً (2:143)-

اور اسی طرح تم کو ایک عادل امت بنایا تا کہ تم تمام اقوام عالم کی نگرانی کرو اور رسول' جسے اس نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ تمہارا نگران ہو۔

یہ آیت بالکل واضح ہے اور اپنا مفہوم خود بیان کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ایک قرآنی نظام ہو' جو اتنا مضبوط اور طاقتور ہو کہ وہ ساری دنیا کی نگرانی کرے اور اس کا محاسبہ کرے' آیت اتنی واضح ہے کہ اس کے لئے کسی بھی تفسیر کی کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے' لیکن آپ اس کی وہ تفسیر ملاحظہ کریں جو ہماری کتبِ روایات میں چلی آ رہی ہے اور جسے ہمارے وہ علماء کرام پیش

کرتے ہیں جو پرستش کے ذریعے تعلق باللہ قائم کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے اسلامی نظام کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور مسلمانوں کو زوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی اس وقت آپ کی امت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے' اس وقت وہ انہیں کہیں گی کہ انہوں نے تو نہ ہمارا زمانہ پایا اور نہ ہم کو دیکھا پھر گواہی کیسے قبول ہوسکتی ہے۔ اس وقت آپ کی امت جواب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہوا اور اس وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں۔''

سورۃ حج میں پھر اسی مضمون کو دوسرے طریقہ سے دہرایا گیا ہے۔ ارشاد عالی ہوتا ہے:

**لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيْداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ (22:78)-**

تمہارے اعمال کی نگرانی تمہارا رسول (اور اس کے بعد اسلامی نظام کا سربراہ) کرے گا' اور تم تمام نوعِ انسانی کے اعمال کے نگران بنے رہو۔

ان تفاسیر میں پھر یہ تحریر کیا گیا۔ حواشی عثمانیہ میں تحریر ہے:

''دوسرے مفسرین نے شہیدا اور شھداء کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے' تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے' یہ امت گواہی دے گی کہ بے شک پیغمبروں نے دعوت وتبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی''۔ (حواشی ص454)۔

یہ دو آیات مبارکہ آپ کے سامنے محض بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ جن آیات میں بھی مسلمانوں کے غلبے اور نظام کا ذکر آیا ہے۔ ہمارے مفسرین کرام نے اس غلبہ کی تردید کر کے' اس آیت کو قیامت سے وابستہ کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے پاس نظام اور غلبہ کا کوئی شائبہ تک نہ رہے اور اس طرح مسلمانوں کو غلبہ کے تصور سے بالکل ناآشنا کر کے' ان کو مائل بہ زوال کر دیا۔

جہاں تک امت مسلمہ کے ایک امت نہ ہونے اور اس میں انتشار اور فرقہ بندی کا تعلق ہے تو یہ فرقہ بندی بھی ہمارے علماء

کرام کی ہی پیدا کردہ ہے۔ ہمارے مغربی تعلیم یافتہ حضرات اور ٹی وی چینلز کے اینکرز ہمارے علماء کرام سے بار بار تاکید کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں رواداری کو فروغ دیں اور مسلمانوں میں یکجہتی و مودت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ معلوم نہیں یہ حضرات علماء سے اس بات کی توقع کیوں کرتے ہیں کیونکہ فرقہ بندی تو خود علماء کی پیدا کردہ ہے اور ان کا اپنا وجود اس فرقہ بندی سے قائم ہے اگر فرقے نہ ہوں تو ان کا وجود ہی نہیں رہے۔ فرقہ بندی میں ان عقیدوں اور موضوعات پر اصرار کیا جاتا ہے جو آپس میں مختلف فیہ ہوں اور ان کو ہی ہوا دینے سے فرقہ مضبوط ہوتا ہے۔ فرقہ مذہب میں ہوتا ہے دین میں فرقہ بندی ہو ہی نہیں سکتی۔ فرقے ختم کرنے کا واحد علاج دین کا قیام ہے۔ دین کے قیام کے بغیر فرقہ بندی کسی حال میں بھی ختم نہیں ہو سکتی مسلمانوں کی ساری تاریخ میں تحریک طلوع اسلام پہلی تحریک ہے جس نے فرقہ بندی کے خلاف آواز بلند کی اور فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے علماء اس آواز کی تعریف کرتے اور اس کا ساتھ دیتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے طلوع اسلام کی اس آواز کو دبانے کی کوشش کی اور فرقہ بندی میں مزید اضافہ کر دیا حالانکہ فرقہ بندی ایک ایسا ناسور ہے جو امت مسلمہ کو اندر سے ہی کھوکھلا کر رہا ہے۔

مضمون کے شروع میں چین کی ترقی کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان کی ترقی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے ایک واضح آئیڈیالوجی تھی اور ان کی لیڈر شپ اس آئیڈیالوجی کے ساتھ نہایت مخلص تھی۔ ہمارے ہاں آج تک پاکستان کی آئیڈیالوجی کا ہی تعین نہیں ہوا۔ اس کے بعد لیڈر شپ کے متعلق تو کچھ تحریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ چین میں نہ روحانیت کا تصور تھا اور نہ دنیا سے حقارت اور بیزاری اور نہ ہی فرقہ بندی تھی۔ ہمارے ہاں روحانیت کے تصور کی وجہ سے دنیا اور اس کی ترقی کو حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو آیات آئیڈیالوجی اور غلبہ کے متعلق ہیں ان کو قیامت پر موقوف کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی سے بہتر اور کوئی آئیڈیالوجی نہیں ہو سکتی۔ اس کے اتباع سے ہی دنیا میں غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ آپ قرآن خالص اپنے سامنے رکھیں اور ایسی قیادت سامنے آئے جو قرآن خالص کو بطور نظام کے رائج کرے۔ پھر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے اور کس طرح مسلمان ساری دنیا کے نگران بنتے ہیں قرآن خالص کے اجراء کے لئے ضروری یہ ہے کہ قوانین کا مصدر Source of Law صرف قرآن ہو ہر دور کی اسلامی مملکت قرآن کی حدود میں رہ کر اپنے اپنے دور کے مطابق قوانین وضع کرتی چلی جائے سابقہ گذشتہ ادوار کے فقہ و قوانین سابقہ ادوار کے لئے تھے ہم ان پر چلنے کے مکلّف نہیں ہیں۔ ہمارے دور کی اسلامی مملکت جو قوانین جاری کرے گی وہ ہمارے دور کی شریعت ہوگی اور اس کی اطاعت عبادت خداوندی ہوگی۔ ایسی قرآنی مملکت نہ تو سیکولر ہوگی کیونکہ وہ مستقل اقدار پر قائم ہوگی اور نہ تھیوکریسی ہوگی کیونکہ اس میں سابقہ مذہبی قوانین کا اجراء نہیں ہوگا۔ تھیوکریسی اس وقت ہوتی

ہے جب پیشوائیت کے وضع کردہ قوانین کو جاری کیا جائے۔ قرآنی مملکت میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے قوانین بنتے چلے جائیں گے' جو موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں گے اس سے اللہ ورسول کی اطاعت بھی ہوگی اور تعلق باللہ بھی قائم رہے گا' لیکن واضح رہے کہ:

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

**وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العالمین**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆


## نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہوگیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

## بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہوکر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

### خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں **275** روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

**70, 72, 73, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 98, 2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عطاء الحق قاسمی
attaul.haq@janggroup.com.pk

# جنت سے دوزخ تک کا ایک سفر!

گذشتہ رات میں جلدی سو گیا تھا چنانچہ آج صبح صبح میری آنکھ کھل گئی اور میں اس وقت خود کو بہت تروتازہ محسوس کر رہا ہوں۔ اگر کوئی شخص خدا پر یقین نہیں رکھتا تو میری فرمائش پر وہ ایک دفعہ طلوع صبح کا منظر دیکھ لے' انشاء اللہ اسے خاصا افاقہ ہوگا۔ بقول جوش ملیح آبادی:

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لئے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

طلوع صبح کے خوبصورت منظر کو اس وقت صرف ایک آواز دھندلانے کی کوشش کر رہی ہے جو ایک قریبی دیہات کی مسجد سے سنائی دے رہی ہے۔ لوگ اللہ کی عبادت کر کے مسجد سے واپس اپنے گھروں کو جا چکے ہیں' مسجد خالی ہے مگر ایک شخص نے موقع پا کر مسجد کا لاؤڈ سپیکر آن کیا ہے۔ اسے اپنی خوش الحانی پر یقین کامل ہے چنانچہ وہ اہل علاقہ کو اس سے مستفید کرنا چاہتا ہے۔ وہ میاں محمد صاحب ایسے شاعر کے کلام پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ اسے شاید علم نہیں کہ یہ کلام اس کے لئے موزوں نہیں کیونکہ وہ نہایت بے سرا ہے اور اس کی آواز کسی ایسی چیل کی مانند ہے جو بوقتِ شادمانی اس کے حلق سے برآمد ہوتی ہے' میں نے رات کو ایک نہایت خوبصورت خواب دیکھا تھا اور میں صبح کی خوبصورتی اور اس خواب کے سحر میں مبتلا تھا مگر یہ بے سرا شخص بار بار میری اس مسرت میں حائل ہو رہا تھا۔ میں نے اس وقت اللہ کا شکر ادا کیا جب لائٹ چلی گئی۔ ان لمحوں میں مجھے بجلی کی لوڈشیڈنگ ایک نعمتِ غیر مترقبہ محسوس ہوئی' مگر مجھے اچانک ایک جھٹکا سا لگا جب میں نے محسوس کیا کہ لائٹ تو چلی گئی ہے مگر مسجد سے میاں محمد صاحب کے کلام کی بے حرمتی کا سلسلہ جاری ہے۔ پتہ چلا کہ یار لوگ بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے۔ انہوں نے لاؤڈ سپیکر بیٹری پر کرایا ہوا ہے تاکہ بتی چلی بھی جائے تو خلق خدا کو چین کا سانس لینا نصیب نہ ہو!

آج کی مسرت انگیز صبح کی غالباً ایک وجہ وہ خواب بھی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں

جنت میں ہوں (خواب دیکھنے میں کیا حرج ہے؟) میرے اردگرد خوبصورت حوریں ''پیلاں'' پار ہی ہیں۔ان میں سے ہر ایک مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں مشغول ہے' مگر آخر میں انسان ہوں' ایک ہی وقت میں سب کو مناسب ٹائم کیسے دے سکتا ہوں' ان میں سے ایک حور فردوس عاشق اعوان کے ڈیل ڈول والی ہے اور وہ Possessive بھی بہت ہے۔ میں جب اِدھر اُدھر نظر دوڑاتا ہوں تو وہ میرے منکے کر جھٹکا دے کر کہتی ہے ''بندے کے پتر بنو' اتنے ندیدے پن کی ضرورت نہیں' تم نے اب ہمیشہ یہیں رہنا ہے'' میں خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوں اور پوچھتا ہوں ''واقعی؟'' وہ بولی ''ہاں' کیونکہ تمہارے اعمال ہی ایسے ہیں'' کچھ دیر بعد میں نے اپنی پوری قوت صرف کر کے اس حور سے اپنا منکا واگزار کروایا اور جنت کے دوسرے نظاروں سے اپنی آنکھیں شاد کرنے کے لئے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔اب میرے دونوں طرف نہریں بہہ رہی تھیں۔درمیان میں پھولوں بھری رہگزر تھی جس پر میں خراماں خراماں' معطر معطر چلا جا رہا تھا۔میرے دائیں طرف والی نہر دودھ اور بائیں طرف والی نہر شہد کی تھی۔ میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا تھا چنانچہ میں نے تالی بجائی' ایک حور شمائل میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ میں نے کہا ''ہم ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔فوری طور پر اس کا انتظام کیا جائے!'' اس نے سر جھکا کر پوچھا ''سر! آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟'' میں نے کہا ''دودھ کا ایک کپ' شہد' بریڈ اور انڈے!'' اس نے پوچھا ''سر انڈے فرائی یا آملیٹ؟'' میں نے اس حور شمائل کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کے حسن کی تاب نہ لا سکا اور آنکھیں نیچی کر کے کہا ''جو آپ کھلا دیں''۔اس نے دودھ کی نہر میں سے ایک کپ دودھ اور شہد کی نہر میں سے ایک بوتل شہد کی بھر کر میرے آگے رکھ دی اور کچھ دیر بعد وہ بریڈ اور انڈے لے کر آ گئی۔اس نے جھک کر سات بار فرشی سلام کیا اور پوچھا ''کوئی اور خدمت؟'' میں نے شکریہ ادا کیا لیکن وہ بضد نظر آئی کہ اس سے کوئی اور خدمت بھی لی جائے۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں تھا کیونکہ میں ناشتے میں یہی کچھ لیتا ہوں۔زیادہ کھا لوں تو طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے تاہم میں نے اس سے پوچھا ''میں صبح سے نہایا نہیں کیا میں دودھ کی نہر میں نہا سکتا ہوں؟'' بولی ''شوق سے' مگر یہاں کچھ جنتیوں نے بلیاں بھی پالی ہوئی ہیں۔آپ نہا کے نکلیں تو انہیں قریب نہ پھٹکنے دیں یہ جسم چاٹنا شروع ہو جاتی ہیں!''

میں نے اس حور شمائل کا شکریہ ادا کیا اور آگے کی طرف چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک نہایت خوبصورت ندی بہہ رہی ہے اور اس میں ایک نوجوان جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگیں' تین چار حوروں کے جلو میں کشتی رانی کر رہا ہے' مجھے اس نوجوان کی شکل کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔ میں نے غور کیا تو یہ حاجی بشیر صاحب تھے مگر ان کے چہرے پر تو داڑھی ہوتی تھی اور جب میں ان سے ملا تھا' وہ اس وقت 80 کے پیٹے میں تھے مگر یہ تو اب حسین نوجوان ہیں تب اچانک مجھے یاد آیا کہ جنت میں سب لوگ

جوان ہو جائیں گے۔ مجھے حاجی بشیر صاحب کو جنت میں دیکھ کر بالکل حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ حاجی صاحب بہت عبادت گزار ہونے کے علاوہ نہایت ایماندار تھے اور ہمہ وقت خلق خدا کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ اتنے میں حاجی صاحب نے کشتی کنارے پر لا کھڑی کی ان کی نظر مجھ پر پڑی تو سیدھے میری طرف چلے آئے اور بولے ''ارے آپ بھی یہاں؟'' میں نے کہا ''حاجی صاحب! مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی مجھ ایسا گنہگار یہاں کیسے آ گیا؟'' فرمایا ''اللہ کو تمہاری کوئی ادا پسند آ گئی ہوگی' مگر ایک بات بتاؤ!'' میں نے عرض کی ''پوچھیں!'' بولے ''میں تمہیں دنیا میں بھی منع کیا کرتا تھا کہ مجھے حاجی صاحب نہ کہو اب تم نے یہاں آ کر بھی حاجی صاحب کی گردان شروع کر دی ہے'' میں نے پوچھا ''قبلہ! اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' بولے ''دین کے پانچ ارکان میں سے صرف ایک رکن حج ہے۔ تم حاجی صاحب' حاجی صاحب کہنے میں لگے رہتے ہو لیکن کیا کبھی کسی نمازی کو تم نے نمازی صاحب کہا ہے؟ کسی زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰتی صاحب کہہ کر پکارا ہے؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''نہیں'' مسکرا کر بولے ''پھر بیچارے حاجیوں نے کیا قصور کیا ہے کہ انہیں حاجی صاحب' حاجی صاحب کہتے رہتے ہو!'' میں نے محسوس کیا کہ حاجی صاحب کی حس مزاح ابھی تک ویسی کی ویسی ہی ہے جیسی دنیا میں تھی! اس ساری گفتگو کے دوران ان کی ہمراہی حوریں مسلسل ان پر صدقے واری ہوتی رہیں' حاجی صاحب نے انہیں نہیں روکا' بلکہ میں نے محسوس کیا کہ حاجی صاحب کو اب یہاں میری مزید موجودگی کھٹک رہی ہے..... ٹھیک ہے' حاجی صاحب! ٹھیک ہے!

میں جنت کی حسین فضائیں اپنے دل و دماغ میں بساتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا..... میں اس کی ہواؤں کی لذت بیان نہیں کر سکتا۔ ان کے سامنے بادِ نسیم کی کوئی حیثیت نہیں تھی' یہاں درختوں پر ایسے لذیذ اور انوکھے پھل لگے تھے جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں چکھے۔ یہاں یاقوت کے محل تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی موجودگی باقاعدہ محسوس ہوتی تھی اور شاید جنت کا سب سے بڑا انعام یہی ہے۔ میں آگے بڑھتے بڑھتے ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دیوار کی دوسری طرف جھانک کر دیکھا تو ادھر دوزخ کا میدان تھا۔ دوزخیوں میں زیادہ تر چہرے میرے جانے پہچانے تھے۔ ان میں حاکم تھے' سیاستدان تھے' جرنیل تھے' دانشور تھے' عالم دین تھے' تاجر تھے' وکیل تھے' جج تھے' غرضیکہ وہ سب لوگ یہاں موجود تھے جو دنیا میں دیکھنے میں کچھ اور تھے اور اپنے اعمال میں کچھ اور! میں نے دیکھا کہ ایک خوفناک دلدل ہے جس میں وہ گردن گردن تک غرق ہیں' ان کے ہاتھ میں چائے کے کپ ہیں اور وہ مزے سے اس کے گھونٹ لے رہے ہیں۔ مجھے یہ منظر بہت عجیب لگا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ دوزخیوں کو عبرتناک سزائیں ملیں گی مگر یہ سزا تو ان سزاؤں کے مقابلے میں بہت معمولی تھی جو میں نے سن رکھی تھی۔ اتنے میں داروغۂ جہنم کی کرخت آواز فضا میں گونجی ''چائے کا وقفہ ختم اب سارے جہنمی دلدل میں دوبارہ سر کے بل کھڑے ہو جائیں!''

بس اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں دوزخ کو بھول کر ابھی تک جنت کی مسحور کن فضاؤں میں گم ہوں۔ بس ایک وہ بے سر اشخص ہے جو مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے کوئی بات نہیں میں نے اگر کبھی آئندہ وہ خواب دیکھا جو میں نے ابھی بیان کیا ہے تو انشاءاللہ اسے دلدل میں سر کے بل کھڑا ضرور دیکھوں گا۔ وہاں اس کا ایک کام دوزخیوں کو اپنی آواز سے ٹارچر دینا بھی ہوگا!

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور 31-3-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆


## ایک مقدمہ' اقبال ۔۔ دشمنِ دُنیا و دین؟

محمد علی صابر صدیقی صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کے ناول ''بایزید یلدرم'' کے بعد نئی کتاب بعنوان ''ایک مقدمہ۔ اقبال۔ دشمنِ دنیا و دین؟'' شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے ساتھ ایک مقدمے کی شکل میں کلام اقبال اور افکارِ اقبال کے متعلق دلچسپ اور پُر مغز بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب 354 صفحات پر مشتمل ہے جو کہ صرف 300 روپے بزم طلوع اسلام' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔

برائے رابطہ: محمد اکرم راٹھور' موبائل: 0321-4460787


## محترم خریدارانِ طلوع اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوع اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِ شرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھیے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِ شرکت ادا کیا ہو' وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

**Subscription Paid Up to 12/2010**

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِ شرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِ شرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تاکہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاوید چودھری
www.facebook.com/javed.chaudhry

# فتویٰ

ہلاکو خان کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ جب بغداد پہنچا' اس نے بغداد فتح کر لیا' تاتاری فوجی شہر میں داخل ہوئے' انہوں نے لوگوں کے سر اتارنے شروع کئے' خواتین کی سرِ عام بے حرمتی شروع کی' بچوں کو نیزوں پر پرونا شروع کیا' عمارتوں کو آگ لگانا شروع کی اور کتب خانے نذرِ آتش کر دیئے تو اس وقت بغداد کے علماء کرام اور مفتی صاحبان دریائے فرات کے کنارے بیٹھ کر مسواک کے شرعی سائز پر بحث کر رہے تھے' آدھے علماء کرام کا کہنا تھا مسواک بالشت بھر ہونی چاہئے جبکہ نصف کا دعویٰ تھا اگر مسواک بالشت سے چھوٹی بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں' یہ بحث ابھی جاری تھی کہ ہلاکو خان کے سپاہی فرات کے کنارے پہنچے اور اس کے بعد مفتی بچے' ان کے فتوے بچے' مسواکیں بچیں اور نہ ہی مسواک کرنے والے۔ ہلاکو خان نے بغداد میں کتنی تباہی مچائی' اس کے آثار آپ کو آج بھی بغداد میں محسوس ہوتے ہیں' آج بھی دجلہ کے کنارے 754 سال پرانی قتل و غارت گری پر نوحہ کُناں ہیں' آج بھی بغداد کی فضا اس شام غریباں پر سوگوار ہے لیکن اس کے باوجود بغداد کے علماء کرام اور مفتی صاحبان کو یہ کریڈٹ ضرور جاتا ہے یہ بغداد نہیں بچا سکے لیکن انہوں نے مسواک کی حرمت ضرور بچالی' انہوں نے مسواک کا سائز ضرور متعین کر لیا۔

اسلام دنیا کا پہلا پریکٹیکل مذہب تھا' یہ انسان کو مسجدوں' درسگاہوں' عبادت گاہوں' درگاہوں اور خانقاہوں تک محدود نہیں کرتا' یہ حکم دیتا ہے تم کام کرو' نماز کا وقت آئے تو نماز کے لئے مسجد آؤ اور جوں ہی نماز ختم ہو جائے فوراً واپس اپنے کام پر چلے جاؤ۔ یہ دنیا کا پہلا مذہب تھا جس میں چھٹی کا تصور نہیں تھا' یہ ہفتے میں سات دن کام پر یقین رکھتا ہے' یہ حکم دیتا ہے جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کے وقت کاروبار بند کرو اور نماز کے بعد واپس کام پر چلے جاؤ۔ یہ دنیا کا پہلا مذہب تھا جو کاروبار کو ملازمت پر ترجیح دیتا ہے' اسلام دراصل کاروباری لوگوں' تاجروں اور صنعت کاروں کا مذہب ہے' شاید یہی وجہ ہے اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں کاروبار کے باقاعدہ اصول موجود ہیں' یہ آپ کو بتاتا ہے آپ چیز کا نقص بتا کر فروخت کریں' صبح جلدی دکانیں کھولیں اور شام کو جلد بند کر دیں' ناپ اور تول میں ڈنڈی نہ ماریں' زیادہ منافع نہ لیں' ہرگز ہرگز ذخیرہ اندوزی نہ کریں' دودھ خواہ گھر کے استعمال کے لئے ہو اس میں پانی نہ ملائیں'

ملاوٹ نہ کریں' دکاندار موجود نہ ہو تو چیز نہ اٹھائیں اور سود کا کاروبار نہ کریں وغیرہ وغیرہ' آپ کو کاروبار کے اصول قرآن اور سنت کے علاوہ کسی مذہب یا کسی دوسرے نبی کی سیرت میں نہیں ملیں گے' یہ اس قدر پریکٹیکل مذہب تھا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ ہوں یا خلیفہ دونوں اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے لیکن پھر ہم نے اس پریکٹیکل مذہب کو تھیوریٹیکل یا فلاسفیکل بنا دیا' ہم نے اسلام کو آٹھ دس حصوں میں بانٹ دیا اور ان حصوں میں ایک حصہ علماء کرام اور مفتی صاحبان بھی ہیں' یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ لوگ جلتے ہوئے بغداد کی آگ بجھانے کی بجائے مسواک کا سائز متعین کرتے ہیں یا پھر ایسے فتوے جاری کرتے ہیں جن کا حالات و واقعات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا' جو معاشرے کے لئے مدد و معاون نہیں ہوتے۔

آپ دور نہ جائیں' آپ کل کی مثال لیجئے' کل اہل سنت کے 50 مفتیوں نے نیٹو سپلائی کی بحالی کو غیر شرعی قرار دے دیا' ان مفتیوں نے فتویٰ جاری کیا ''اگر نیٹو سپلائی بحال ہوئی تو یہ غیر شرعی' غیر اسلامی اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہوگی'' یہ فتویٰ شرعی لحاظ سے یقیناً درست ہوگا کیونکہ مفتی صاحبان کا حکم شریعت ہوتا ہے اور شریعت پر شک ایمان کی خرابی۔ میں ذاتی طور پر بھی نیٹو سپلائی کے خلاف ہوں' میرا خیال ہے ہم ایک آزاد ملک ہیں اور آزاد ملک کی حیثیت سے یہ ہمارا حق ہے ہم اپنی فارن پالیسی کا فیصلہ خود کریں' ہمیں سولائزڈ نیشن کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک کے خلاف استعمال نہیں ہونا چاہئے' ہم اگر میکسیکو سے لڑ پڑیں تو کیا امریکا ہمیں میکسیکو تک فوجی سپلائی کی اجازت دے گا؟ یقیناً نہیں دے گا' وہ اپنے بارڈر پر محاذ نہیں کھولنے دے گا لہٰذا ہم ایسا کیوں کریں اور افغانستان کی دونوں جنگوں کے دوران چین' ایران اور ترکی نے بھی امریکا کو زمینی راستے نہیں دیئے تھے چنانچہ ہم کیوں دیں وغیرہ وغیرہ۔ میرے پاس نیٹو سپلائی منقطع رکھنے کے ایسے ہزاروں جواز ہیں اور میں ان جوازوں کی بنیاد پر امریکا کو انکار کر سکتا ہوں لیکن جہاں تک نیٹو سپلائی کے بارے میں فتویٰ کا تعلق ہے' مجھے اس پر تھوڑی سی ''ریزرویشنز'' ہیں' نیٹو سپلائی کا فیصلہ کرنا ہمارے دفتر خارجہ' ہماری پارلیمنٹ اور ہماری حکومت کا کام ہے' مذہبی سیاسی جماعتیں بھی اس میں اپنا حصہ ڈال سکتی ہیں اور یہ مولانا فضل الرحمان کی قیادت میں ہوں' مولانا سمیع الحق کی قیادت میں ہوں یا پھر مولانا افضل قادری کی قیادت میں ہوں یہ اپنا کام کر بھی رہی ہیں لیکن جہاں تک مفتی صاحبان کا تعلق ہے انہیں کم از کم اس معاملے سے دور رہنا چاہئے تھا یا پھر کم از کم فتویٰ نہیں دینا چاہئے تھا کیونکہ جب نیٹو سپلائی کے بارے میں فتوے آ جائیں گے تو پھر بے شمار سوال اٹھیں گے اور ان سوالوں سے بالآخر اسلام پر حرف آئے گا مثلاً پھر لوگ پوچھیں گے نیٹو سپلائی 2002ء میں سٹارٹ ہوئی' ہر سال اوسطاً 60 ہزار کنٹینرز پاکستان کے راستے افغانستان جاتے رہے' پاکستان نے افغان جنگ میں امریکا کا دنیا میں سب سے زیادہ ساتھ دیا لیکن 2002ء سے 2012ء تک نیٹو سپلائی (خدانخواستہ) شرعی اور اسلامی تھی اور

ہم نے اس سپلائی کی اجازت دے کر اللہ کے عذاب کو دعوت نہیں دی' اگر وہ سپلائی بھی غلط تھی تو پھر ہمارے علماء ہمارے مفتیان 2012ء تک خاموش کیوں رہے؟ دوسرا کیا صرف نیٹو سپلائی غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے اور صرف اس کی وجہ سے اللہ کا عذاب آئے گا' کیا کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ غیر اسلامی اور غیر شرعی نہیں' کیا ملک کے 45 فیصد بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنا غیر اسلامی اور غیر شرعی نہیں' کیا خواتین کے چہروں پر تیزاب پھینکنا غیر اسلامی نہیں' کیا جعلی ادویات' ٹیکس چوری' لوگوں کو بجلی' گیس اور پانی جیسی بنیادی ضرورتوں سے محروم رکھنا' کیا کرپشن' بے روزگاری' رشوت' لاقانونیت اور انصاف میں تاخیر غیر شرعی اور غیر اسلامی نہیں' کیا طالب علموں کو سائنس' ٹیکنالوجی اور تحقیق سے محروم رکھنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف نہیں اور کیا ملک کو چرس' افیون اور ہیروئن کی سب سے بڑی منڈی بنا دینا غیر شرعی اور غیر اسلامی نہیں' اگر ہاں تو پھر ہمارے مفتی صاحبان' ہمارے علماء کرام معاشرے کی ان برائیوں پر خاموش کیوں ہیں؟ یہ وہ برائیاں' یہ وہ خامیاں ہیں جن کی وجہ سے آج پاکستان امریکا کی کالونی بن چکا ہے اور امریکا سوا ارب ڈالر کا نقصان پہنچانے' تیس چالیس ہزار نعشیں گرانے اور سلالہ چیک پوسٹ پر گولہ باری کے باوجود ہم سے معافی تک نہیں مانگتا چنانچہ ہمارے علماء کرام پھر جہالت' ملاوٹ اور جعل سازی کے خلاف فتوے جاری کیوں نہیں کرتے' ہمارے ملک کے تمام مفتی صاحبان یکساں نظام تعلیم کے لئے فتویٰ کیوں نہیں دیتے اور یہ جدید ترین تعلیم کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے' ہمارے علماء ملک میں بجلی پیدا کرنے کا جدید ترین نظام کیوں نہیں بناتے' کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور عقل نہیں دی' اگر اللہ نے انہیں بھی عقل اور دانش سے نواز رکھا ہے تو پھر اہل ایمان نے بجلی پیدا کرنے کا کام لادین' دنیا دار اور یہودی اور عیسائی یونیورسٹیوں کے ڈگری ہولڈروں پر کیوں چھوڑ رکھا ہے' یہ اس معاملے میں آگے بڑھ کر قوم کی رہنمائی اور مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھے یقین ہے علماء فرمائیں گے یہ ہمارا کام نہیں' درست! اگر یہ آپ کا کام نہیں تو پھر نیٹو سپلائی کا فیصلہ بھی آپ کا کام نہیں' آپ اگر معاشرے کی رہنمائی کا فریضہ نبھانا چاہتے ہیں تو پھر آپ ان تمام شعبوں میں لیڈ کریں جو اس معاشرے' اس ملک کے سب سے بڑے مسئلے ہیں لیکن آپ اگر انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتے تو پھر نیٹو سپلائی جیسے ایشوز پر بھی فتویٰ نہ جاری کریں کیونکہ فتویٰ فیصلہ ہوتا ہے اور آپ پچاس (50) مفتیوں نے فیصلہ دے دیا ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے اب اس فیصلے پر عمل فرض ہو چکا ہے' ہم پر اب ہر اس طاقت کے خلاف جہاد فرض ہو چکا ہے جو نیٹو سپلائی بحال کرے گی اور ہم اگر یہ جہاد نہیں کرتے تو ہم گناہگار ہو جائیں گے اور کیا اس ملک کے (50) مفتی 18 کروڑ لوگوں کو گناہگار کرنا چاہتے ہیں' خدا کے لئے اپنی رائے ضرور دیں لیکن اس رائے کو فتویٰ نہ بنائیں' ہم کمزور مسلمان ہیں ہم فتوؤں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس لاہور' 29-3-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# پاکستان میں

# غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

| شہر | مقام | دن | وقت |
|---|---|---|---|
| ایبٹ آباد | 234-KL کیہال۔ رابطہ: موبائل 0314-5035285 | بروز جمعہ | بعد نماز جمعہ |
| اوکاڑہ | برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد<br>رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673 | بروز جمعہ | 3PM |
| بچ کسی | برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا | بروز جمعہ | 3PM |
| چوٹی زیریں | بردوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520 | ہر ماہ پہلا اتوار | 12 بجے دن |
| چنیوٹ | W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔<br>رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0345-7961795 | بروز جمعہ | بعد نماز جمعہ |
| حیدرآباد (قاسم آباد) | محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر<br>آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355 | بروز جمعہ | بعد نماز عصر |
| راولپنڈی | فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔<br>رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964 | بروز جمعہ<br>بروز اتوار | 4PM<br>4PM |
| راولپنڈی | برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ،<br>نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985 | بروز اتوار | 10AM |
| خان پور | بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان<br>رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839 | بروز جمعہ | 3PM |
| سیالکوٹ | معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ،<br>رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔<br>محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700 | ہر دوسرے اتوار | 5PM |

| | | | |
|---|---|---|---|
| سرگودھا | B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233 | بروز منگل | 7PM |
| فیصل آباد | رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065 | بروز جمعہ | 4PM |
| مینگورہ، سوات | خالد پلازہ (حاجی شمس الحق)، نشاط چوک، مینگورہ، رابطہ خورشید انور 0315-9317755، رابطہ: ظاہر شاہ 0346-9467559، بخت امین 0333-9499254 | بروز جمعہ | بعد نماز جمعہ |
| فتح پور، سوات | فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755 | بروز اتوار | 3PM |
| | محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559 | ہر اتوار | 9AM |
| کراچی | 105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545 | بروز اتوار | 10AM |
| کراچی | A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702 | بروز اتوار | 10AM |
| کراچی | ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 | بروز اتوار | 2PM |
| | رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149 | | |
| کراچی | نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331 | بروز اتوار | 12AM |
| کوئٹہ | صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736 | بروز اتوار | 4PM |
| گوجرانوالہ | شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011 | بروز جمعہ | بعد نماز عصر |
| لاہور | B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 | بروز اتوار | 10AM |
| لاڑکانہ | برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714 | بروز جمعہ | بعد نماز مغرب |
| منڈی۔۔ بہاؤالدین | رابطہ: خان محمد (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 | بروز جمعہ | 10 AM |
| | موبائل نمبر: 0334-4907242 | | |
| نواں کلی، صوابی | رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر: | بروز اتوار | 10 AM |
| صوابی | بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092 | بروز اتوار | 3 P.M |

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا

تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## ENGLISH PAMPHLETS BY IDARA TOLU-E-ISLAM

| | RS. |
|---|---|
| Are All Religions Alike | 5 |
| How Sects can be Dissolved? | 5 |
| Islamic Ideology | 5 |
| Man & God | 5 |
| Quranic Constitution in an Islamic State | 5 |
| Quranic Permanent Values | 5 |
| What is Islam? | 5 |
| Why Do We Celebrate Eid? | 5 |
| Why Do We Lack Character? | 5 |
| Why is Islam the Only True Deen? | 5 |
| Woman in the Light of Quran | 5 |
| As-Salaat (Gist) | 15 |
| Economics System of the Holy Quran | 15 |
| Family Planning | 15 |
| Human Fundamental Rights | 15 |
| Is Islam a Failure? | 15 |
| Man & War | 15 |
| Rise and Fall of Nation | 15 |
| Story of Pakistan | 15 |
| The Individual or the State | 15 |
| Unity of Faith | 15 |
| Universal Myths | 15 |
| Who Are The Ulema? | 15 |

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE:

- T.V. & FAX
- TELEPHONE EXCHANGE
- LIFT, INTERNET
- AIR-CONDITIONED
- CAR PARKING
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com